﴿یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾

تم میں سے جولوگ ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا اللہ تعالی ان کے درجے بلند کرے گا (المجادلۃ ۱۱)



سلسلۂ صلاح و فلاح

2

# علم کے آداب

تالیف

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

مترجم

عبدالقوی لقمان کیلانی

(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

خطیب جامع مسجد پاکستان ایجوکیشن اکیڈمی - دبئی



ناشر

مرکز "الکتاب"

550 بلاک 5 - سیکٹر D-1 ٹاؤن شپ - لاہور

برائے رابطہ: 042-5116118 0322-4468539

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

## ❋❋❋ تنبیہ ❋❋❋

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

**نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں**

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾

’’تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا

اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرے گا۔‘‘ [المجادلة:١١]

سلسلۂ صلاح وفلاح ❷

# علم کے آداب


تالیف

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

مترجم

عبدالقوی لقمان کیلانی

خطیب جامع مسجد پاکستان ایجوکیشن اکیڈمی، دبئی



ناشر

مرکز الکتاب

5-550 ڈی۔ون، ٹاؤن شپ، لاہور

برائے رابطہ: 0322-4468539 / 042-5116118

نام کتاب: علم کے آداب

ناشر: مرکز الکتاب 5-550 ڈی۔ون، ٹاؤن شپ، لاہور

ایڈیشن: پہلا

تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت:

# اِنتساب

اللہ رب العزت کی توفیق

اور پھر والدین محترمین کی

دعاؤں سے رفیقہ حیات کے نام!

بسم الله الرحمن الرحيم

# فہرست مضامین

دوسری فصل

## [تیسرا باب]

# کلمۂ مترجم

**برادرانِ اسلام!**

'علم' ایک نور اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس سے ایک طرف جہالت کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں، تو دوسری طرف انسان کی چشمِ بصیرت روشن ہوتی ہے۔ بقولِ شاعر ع

علم کا مقصود ہے پاکی عقل وخرد
فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب ونگاہ

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عالم اور جاہل کے درمیان فرق کی حقیقت کو اپنے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الزمر:۹)

"اے پیغمبرؐ! کہہ دیجیے کہ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟"

یہاں استفہام انکاری ہے اور اس کا جواب یہ ہے" کہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، بالکل ایسے جیسے ایک زندہ شخص اور مردہ، ایک سننے والا اور بہرہ، ایک دیکھنے والا اور اندھا کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔...... بلکہ اللہ جل شانہ کے ہاں ایک عالم کا مقام ومرتبہ بایں الفاظ ذکر ہوا ہے۔ ﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ (المجادلۃ:۱۱)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا، اللہ تعالیٰ ان کے

درجات بلند کرتا ہے۔"

تو معلوم ہوا کہ ایک عالم شخص روشنی کا وہ مینار (Beacon) ہے جو خود بھی راہِ ہدایت کا خوگر اور بھٹکی ہوئی اللہ کی مخلوق کے لیے درست منزلوں کا تعین کرتا اور اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھتا ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: ؏

پئے علم از چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

انتہائی سادہ الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ 'صاحب علم' ایک ایسے خزانے کا مالک ہے جسے نہ چور چرا سکتا ہے، نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ کوئی آندھی وطوفان یا سیلاب اسے بہا کر لے جا سکتا ہے، بلکہ اسے جتنا خرچ کیا جائے اتنا ہی بڑھتا ہے۔ 'علم' کی انھی خصوصیات کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ہے:

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ
إِنَّ الْمَالَ يَفْنٰى عَنْ قَرِيْبٍ وَإِنَّ الْمَالَ يَبْقٰى لَا يَزَالُ

ہم اپنے بارے میں اللہ جبار وقہار کی اس تقسیم پر راضی ہو گئے ہیں کہ (اس حقیقی منعم کی توفیق سے) ہمارے لیے 'علم' اور جاہلوں کے لیے 'مال' ہے۔ اس لیے کہ مال ودولت تو عنقریب فنا کے گھاٹ اتر جانے والا ہے جب کہ 'علم' لازوال دولت ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی۔"

آپ رضی اللہ عنہ مزید فرمایا کرتے تھے:

"اَلْعِلْمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَالِ، الْعِلْمُ يَحْرُسُكَ وَأَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ"

"علم بہر حال مال سے بہتر ہے، اس لیے کہ علم تیرا پاسبان ہے اور مال کی تجھے نگہداشت کرنا پڑتی ہے۔"

مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بات پیش نظر رہے کہ 'علم' میں یہ تاثیر یا اہلِ علم کی یہ قدر ومنزلت صرف اسی صورت میں ہوگی، جب حاصل کیا جانے والا علم 'حقیقی علم' ہو اور اسے حاصل کرنے والا شخص اخلاص سے بھرپور اور خشیتِ الٰہی سے معمور ہو، وگرنہ جس طرح بغیر 'عمل' کے 'علم' وبال ہے بعینہٖ بغیر 'علم' کے 'عمل' گمراہی ہے اور درج ذیل حدیث کے یہ الفاظ بھی اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں:

«مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ»

(مسند احمد: ۳۳۸/۲، سنن ابی داود، کتاب العلم، سنن ابن ماجہ کے مقدمہ میں، مستدرک حاکم، ۱۶۰/۱)

''جس شخص نے ایسا 'علم' جس سے اللہ عز وجل کی رضا وخوشنودی حاصل ہوتی ہے، محض اس لیے سیکھا کہ اس سے دنیوی سامان اکٹھا کرے، تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پاسکے گا۔''

قارئین کرام! صفتِ 'علم' کے بارے میں یہ سارے حقائق اور یہ جاننے کے لیے کہ حقیقی علم کونسا ہے اور اسے کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ نیز اس سے متعلقہ دیگر ضروری مباحث ومسائل جیسے: علم کی تعریف اس کے فضائل وثمرات، حصولِ علم کا شرعی حکم، اسی طرح 'طالب علم' کے آداب، تحصیلِ علم پر معاون اسباب، اور ساتھ ہی ساتھ علم حاصل کرنے کے وسائل اور طرق، نیز وہ غلطیاں جو اکتسابِ علم میں رکاوٹ بنتی اور تشنگانِ علم ان کا ارتکاب کرتے نظر آتے ہیں، ان سب امور پر مطلع ہونے کیلئے میں نے کتابِ ہذا (کتاب العلم) کے پہلے تین ابواب کا اردو ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے، جو ایک مبتدی (ابتدائی جماعت کے طالبِ علم)

سے لے کر تعلیم یافتہ طبقے اور خاص طور پر دینی مدارس اور مذہبی حلقوں سے وابستہ سب حضرات کے لیے یکساں مفید ہے۔ یہ پوری کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کے مؤلف فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ ہیں جن کا شمار عصر حاضر کی چند مایۂ ناز علمی وعالمی شخصیات میں سے ہوتا ہے۔

موصوف رحمہ اللہ! کی حرمین شریفین میں سالہا سال تدریس اور ان کی کتاب وسنت سے گہری وابستگی نے اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کی متعدد موضوعات پر دیگر عربی تالیفات بھی وحی الٰہی (کتاب وسنت) اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے منہج کی آئینہ دار ہیں۔ (جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ فِي الْعَاجِلِ وَالْآجِلِ)

قارئین حضرات سے کی خدمت میں گذارش ہے کہ جہاں اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے لکھنے والے کے حق میں دعائے خیر کریں، وہاں اس کے مترجم، ادارہ ہذا 'مرکز الکتاب' کے سرپرست صاحبان، ذمہ داران اور اس کے کارِ خیر میں شریک دیگر تمام افراد کو بھی اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

دعاؤں کا طالب

عبدالقوی لقمان کیلانی

# پہلی فصل

## علم کی تعریف

'لغت' میں 'علم' 'جہالت' کی ضد ہے اور اس سے مراد کسی چیز کو اس کی اصل حقیقت پر مکمل طور پر پالینا ہے۔

اور اصطلاح میں بعض علماء کے نزدیک 'علم' سے مراد وہ 'معرفت' ہے جو 'جہالت' کی 'ضد' ہے۔ جبکہ دیگر اہل علم کا کہنا ہے کہ علم اس بات سے زیادہ واضح ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، مطلب یہ ہے کہ لفظ 'علم' خود اتنا زیادہ واضح ہے کہ اس کی پہچان حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور یہاں 'علم' سے ہماری مراد وہ 'شرعی علم' ہے جو اللہ تعالیٰ نے روشن دلائل اور واضح ہدایت کی صورت میں اپنے پیغمبر ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا وہ 'علم' جو قابل ستائش وتعریف ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ 'وحی' کا علم ہے۔

- اللہ کے نبی ﷺ کا اِرشاد ہے:

«مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ»

(صحیح بخاری: ۷۱، ۳۱۱۶، ۷۳۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۳۷، مسند احمد ۴/۱۰۱، سنن الدارمی، ۲۲۴، صحیح ابن حبان ۸۹، مشکل الآثار: ۲/۲۷۸، شرح السنۃ: ۱/۲۸۴، اور اسکے علاوہ حضرت حمید بن عبدالرحمٰنؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔)

''کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اُسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔''

اور اللہ کے نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:

'«إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ» صحیح لغیرہ ہے۔

(سنن الترمذی،: ۲۶۸۲، سنن ابی داؤد: ۳۶۴۱، سنن ابن ماجہ : ۲۲۳، سنن ابن حبان: ۸۸، سنن الدارمی: ۳۴۲، شرح السنۃ: ۱/۲۷۵، ۲۷۶، الآداب للبیہقی: ۱۱۸۸، الرحلۃ فی طلب الحدیث للبغدادی: ص ۷۷، ۷۸، امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اور ان کے علاوہ محدثین رحمہم اللہ نے اسے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نیز اس حدیث کی سند میں ضعف ہے، مگر اس کے دیگر شواہد بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ أعلم

''کہ بے شک انبیاء علیہم السلام نے (کسی کو بھی) درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے تو (ایک دوسرے کو یا اپنی امتوں کو) علم (نبوت) کا وارث بنایا ہے، تو جس شخص نے بھی اس (علم وحی) کو لیا، تو اس نے گویا (دنیا و آخرت کا) وافر حصہ پالیا۔''

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے دوسروں کو، اللہ عزوجل کی شریعت طاہرہ کے علم کا ہی وارث بنایا ہے نہ کہ کسی اور کا، لہٰذا ان انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو صنعت اور اس سے متعلقہ دیگر فنون کے علم کا ہرگز وارث نہیں ٹھہرایا، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے موقعہ پر جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ نزولِ اجلال فرمایا، تو وہاں کے لوگوں کو کھجوروں کی تأبیر (پیوند کاری)

کرتے ہوئے پایا، تو آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے، ان کو مشقت میں دیکھتے ہوئے، اس بارے میں بات کی۔ آپ ﷺ کی گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، تو اُن لوگوں نے آپ ﷺ کے کہنے پر ایسا ہی کیا اور تلقیح☆ کرنے سے رُک گئے، مگر کھجوروں پر پھل کم آیا۔ اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِشُؤُوْنِ دُنْيَاكُمْ» (صحیح مسلم: ۲۶۳، مسند احمد: ۱۵۲/۳)

''تم اپنی دنیا کے معاملات کو بہتر جانتے ہو۔''

لہٰذا اگر دنیوی معاملات کے بارے میں جاننا، ثناء وتعریف کے لائق ہوتا، تو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ان معاملات کو تمام لوگوں سے بڑھ کر جاننے والے ہوتے، اس لیے کہ اس دنیا میں علم وعمل کی بابت سب سے زیادہ قابلِ تعریف اور ثنا کے لائق ہستی اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

تو واضح ہوا کہ شرعی اور دینی علم ہی قابل تعریف ہے اور اسے حاصل کرنے والا ستائش وثناء کا مستحق ہے۔ مگر اس کے باوجود، مجھے دیگر علوم وفنون کے فوائد سے قطعی انکار نہیں اور وہ ذات کی حد تک اس اعتبار سے منفعت بخش ہوں گے کہ ایک تو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کے دین کی نصرت پر مددگار ومعاون ثابت ہوں اور دوسرے یہ کہ اللہ کے بندے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوں، تب تو یہ علوم بھلائی، خیر خواہی اور مصلحت کا سرچشمہ ہوں گے اور کبھی تو ان علوم میں مہارت اور آگاہی حاصل کرنا واجب ہوجاتا ہے، خاص کر جب وہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان کے تحت داخل ہوں۔ ﴿وَاَعِدُّوا لَهُمْ

☆ تلقیح یعنی قلم لگانا، نر کھجور کا شگوفہ، مادہ کھجور میں ڈال کر پیوند کاری کا عمل۔ (مترجم)

مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (الانفال:٦٠)

''اور جہاں تک ممکن ہو سکے، کافروں کے مقابلہ کے لیے قوت اور جنگی گھوڑے تیار رکھو۔''

اور بہت سے علماء نے کہا ہے کہ صنعت و حرفت سے متعلقہ علوم کو جاننا 'فرض کفایہ'☆ ہے۔ اور یہ اس لیے کہ کھانے پینے کے برتن اور دیگر ضرورت کا سامان لوگوں کی ان بنیادی اشیاء سے تعلق رکھتا ہے، جن پر ان کی زندگی کا انحصار ہے۔ تو اگر کوئی شخص بھی ان چیزوں کی تیاری کے لیے کارخانہ وغیرہ نہ لگائے، تو ایسی صورت میں ان کا سیکھنا 'فرضِ عین' ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ اس مسئلہ میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔

بہرصورت میں یہ کہنا چاہوں گا کہ قابلِ ستائش 'شرعی علم' ہی ہے، جو اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو سیکھنا ہے، اور جو اس کے علاوہ دیگر علوم ہیں وہ یا تو خیر و برکت اور بھلائی کے کاموں کا ذریعہ ہیں اور یا پھر شر و فساد کو جنم دینے کا وسیلہ۔ ان کا حکم ان امور کے مطابق ہوگا، جنہیں اٹھانے اور ظاہر کرنے کا یہ ذریعہ بنتے ہیں۔

◉......◉......◉

☆جو 'شرعی حکم' ایک یا چند اشخاص کے بجا لانے سے معاشرے کے دیگر افراد سے ساقط ہو جائے، فرض کفایہ کہلاتا ہے جیسے نماز جنازہ میں شرکت وغیرہ۔ (مترجم)

# دوسری فصل

## علم کے فضائل

اللہ جل شانہ نے علم اور اہل علم دونوں کی تعریف کی ہے اور اپنے بندوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ بعینہٖ سنت طاہرہ میں بھی طلب علم پر جا بجا تعلیم دی گئی ہے، لہٰذا علم کا حصول نیک اعمال میں سے افضل ترین عمل اور نفلی عبادات میں افضل ترین عبادت ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی اَقسام میں سے ایک قسم ہے، اور اس لیے بھی کہ اللہ عزوجل کے دین کو قائم اور نافذ کرنے کے لیے دو چیزیں ہیں:

① ایک علم اور دلیل

② دوسری لڑائی اور اسلحہ

اِقامت دین کے لیے یہ دونوں چیزیں از بس ضروری ہیں۔ ان دونوں کے سوا دین کا غلبہ ناممکن ہے اور ان دونوں میں سے پہلی چیز دوسری پر مقدم ہے اور یہی وجہ تھی کہ اللہ کے نبی ﷺ نے کبھی کسی قوم پر اُن کو اللہ عزوجل کے دین کی طرف دعوت دیے بغیر شب خون نہیں مارا، گویا اس اعتبار سے علم، قتال (اللہ کی خاطر لڑائی لڑنے) پر سبقت لے گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ﴾ (الزمر:۹)

''کیا (ایسا شخص بہتر ہے) یا وہ شخص جو رات کے اوقات، قیام اور سجدہ میں عبادت کرتے گزارتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے؟''

آیت ہذا میں مذکور 'استفہام' کے مدمقابل ایک 'استفہام' کا ہونا ضروری امر ہے۔ تب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص، جو رات کے اوقات، اللہ تعالیٰ کے حضور قیام اور سجدہ میں گزارتا، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو، اور ایک وہ شخص جو کبر ونخوت سے بھرا ہوا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردانی کرنے والا ہو کیا یہ، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

استفہامِ مذکور کا جواب یہ ہے کہ یہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا قرآنی سیاق و سباق میں مدمقابل کا 'استفہام' معلوم ہونے کی بنا پر محذوف ہے (یعنی ذکر نہیں کیا گیا)......تو یہاں سوال یہ ہے کہ یہ مذکورہ عبادت گزار شخص جو رات کے اوقات قیام اور سجدے میں گزارتا، آخرت کے حساب و کتاب سے ڈرتا، اور ساتھ ہی اللہ عزوجل سے اجر وثواب کی امید بھی رکھتا ہے، تو آیا اس کا یہ سارا عمل، علم کی بنیاد پر ہے یا جہالت پر؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم اور بصیرت کی بنیاد پر، اسی لیے تو آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴾ (الزمر:۹)

''اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھئے، کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ مگر ان باتوں سے سبق تو وہی حاصل کر سکتے ہیں، جو اہل عقل وخرد ہوں۔''

جاننے والا اور نہ جاننے والا دونوں برابر نہیں ہو سکتے، بالکل ایسے جیسے زندہ

اور مردہ، سننے والا اور بہرہ، دیکھنے والا اور اندھا، کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ علم ایک روشنی ہے جس سے انسان سیدھی راہ پاتا اور کفر وشرک کے اندھیروں سے نکل کر نورِ ایمان کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ اس علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے سربلند کر دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ (المجادلۃ:۱۱)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے گا۔''

یہی وجہ ہے کہ ہم اہلِ علم کو ہی قابلِ ستائش پاتے ہیں اور جب بھی ان کا کہیں تذکرہ ہوتا ہے، لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں اور یہ تو ہوا ان کا اس دنیا میں بلند مقام اور مرتبہ، جب کہ آخرت میں وہ اللہ کے دین کی طرف دعوت وارشاد اور نیک اعمال کے مطابق بلند مراتب سے بہرہ ور ہوں گے۔ یقیناً حقیقی عبادت گزار بندہ وہ ہے، جو شعور رکھتے ہوئے علم وآگہی سے اس حال میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہے کہ حق بات اس پر واضح ہوتی ہے۔ اور یہی اللہ کے نبی ﷺ کا طریقۂ بندگی تھا۔ اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (یوسف:۱۰۸)

''(اے پیغمبر ﷺ!) آپ ان سے کہہ دیجئے! کہ میرا راستہ یہی ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی اس راہ کو پوری روشنی میں دیکھ رہا ہوں اور میرے پیروکار بھی (اسی راہ پر گامزن ہیں) اللہ پاک ہے اور مشرکوں سے میرا

کوئی واسطہ نہیں۔''

لہٰذا وہ انسان جو جانتے بوجھتے اور یہ شعور رکھتے ہوئے پاک اور صاف ہوتا ہے کہ وہ ایک شرعی کام کو شرعی طریقے کے مطابق انجام دے رہا ہے، کیا یہ اس شخص طرح کا ہوسکتا ہے، جو یہی طہارت محض روایتی طور پر اس لیے حاصل کرتا ہو کہ اس نے اپنے ماں باپ کو ایسا کرتے دیکھا ہے؟

ان دونوں میں کون سا شخص عبادت کا حق ادا کرنے میں آگے ہے؟ آیا وہ شخص جو اس لیے پاک صاف ہوا کہ اس نے اچھی طرح سے جان لیا کہ طہارت حاصل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور یہی طہارت اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ اور حکم بھی ہے، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور رسول اللہ ﷺ کی سنت طاہرہ کی پیروی میں طہارت حاصل کرتا ہے۔ یا دوسرا وہ شخص جو محض اپنے ہاں جاری رسم پوری کرنے کے لیے پاک اور صاف ہوتا ہے؟ تو جواب واضح ہے کہ پہلا شخص ہی اپنے عمل میں درست ہے، جس نے علم و بصیرت پر اپنے رب کی عبادت کی، اگرچہ ظاہری طور پر دونوں کا عمل ایک جیسا ہے، مگر دونوں حقیقت میں برابر نہیں، کیونکہ ایک کا عمل، علم و بصیرت کی بنیاد پر ہے۔ وہ اپنے اس عمل کی بناء پر اللہ عزوجل سے ثواب کی امید رکھتا اور آخرت میں حساب و کتاب سے ڈرتا بھی ہے اور ساتھ ہی وہ جانتا ہے کہ وہ اس عمل کی بجا آوری میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی بھی کر رہا ہے......اور میں اسی نکتہ پر توقف اختیار کرتے ہوئے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا وضو کرتے وقت ہمیں اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ ہم حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہیں؟ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ پاک کا ارشاد

ہے۔﴿يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾

''اے اہلِ ایمان! جب نماز ادا کرنے کے لیے اُٹھو، تو پہلے اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھولو اور اپنے سروں کا بھی مسح کرلو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔'' (المائدۃ:٦)

تو کیا ایک انسان وضو کرتے وقت یہ آیت کریمہ ذہن میں رکھتے ہوئے جانتا ہوتا ہے کہ وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کر رہا ہے؟ کیا وہ یہ شعور رکھتا ہے کہ یہ طریقۂ وضو رسول اللہ ﷺ کا ہے اور وہ یہ وضو رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں کر رہا ہے؟ اس سوال کا جواب بھی 'ہاں' میں ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ اس بات کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔' لہٰذا عبادات کی بجا آوری میں ہم پر واجب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے انہیں ادا کریں، تاکہ ایک تو ان عبادات میں ہماری نیک نیتی اور خلوص واضح اور ثابت ہو سکے اور دوسرے یہ کہ ہم ان عبادات کو رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں بجا لائیں۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ نیت (دل کا ارادہ) وضو کی شروط میں سے ہے، لیکن بسا اوقات اس نیت سے مراد 'عمل کی نیت' ہوتی ہے اور یہی وہ قسم ہے جس کے بارے 'علم فقہ' میں بحث کی جاتی ہے اور بعض اوقات 'نیت' سے مراد عمل کی نیت نہیں بلکہ وہ 'ہستی' ہوتی ہے جس کے لیے وہ عمل کیا جاتا ہے، اس وقت ہم پر لازم ہے کہ ہم اس بڑے اور حساس معاملے میں خبردار اور ہوشیار رہیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم عبادت کرتے وقت یہ بات اچھی طرح سے اپنے مدنظر رکھیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کا یہ حکم

صرف اور صرف اسی ذات کے لیے خالص ہو کر ادا کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اپنے آپ کو یہ باور کراتے ہوئے کہ چونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے اَدا فرمایا ہے لہٰذا ہم آپ ؐ کی اتباع (پیروی) میں اسے سرانجام دے رہے ہیں، اس لیے کہ اجر و ثواب کی خاطر کیے گئے عمل کے صحیح اور قبول ہونے کی شروط میں سے درج ذیل دو شرطیں قابلِ ذکر ہیں۔

① اخلاص

② متابعت (پیروی)

اور یہی وہ دو شرطیں ہیں جن کی موجودگی میں شہادتین «اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰـهَ اِلاَّ اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ» ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور یہ بھی کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' پر عمل ممکن ہے۔

یہاں سے ہم دوبارہ پہلے موضوع 'فضائل علم' کی جانب آتے ہیں، جیسا کہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ علم کی بدولت انسان فہم اور بصیرت کی بنا پر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے۔ ایسے میں اس کا دل بندگیٔ رب سے سرشار اور اس کی انوار سے منور ہوتا ہے اور عبادت گزار یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک عادت نہیں بلکہ عبادت کا عمل ادا کر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب انسان اس جذبے اور کیفیت میں نماز ادا کرے گا، تو دورانِ عبادت اس کے دل و دماغ میں اللہ جل شانہ کا یہ فرمان موجزن ہوگا۔ ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت:۴۵)

''کہ بے شک نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔''

فضائل علم کے بارے میں چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

## ① علم انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہے

انبیاء علیہم السلام نے اپنے بعد والوں کو درہم ودینار کا نہیں بلکہ علم کا وارث بنایا ہے، تو جس شخص نے علم حاصل کیا، اس نے انبیاء علیہم السلام کی وراثت سے وافر حصہ پالیا، اے مخاطب! تو اس وقت پندرہویں صدی ہجری میں ہے، لیکن اگر تیرا شمار اہل علم میں ہے تو جان لے، کہ تو حضرت محمد ﷺ کا وارث ہے اور یہ فضائل میں سے سب سے بڑی فضیلت ہے۔

## ② علم کو بقا ہے اور مال فانی ہے

یہ فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، یہاں تک کہ آپ بھوک کی شدت سے غشی کی حالت میں نیچے گر پڑتے ہیں، اور میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ ہمارے آج کے دور میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر لوگوں کی زبانوں پر جاری وساری ہے کہ نہیں؟ ہاں بہت زیادہ ہے اور جو اُن کی بیان کردہ احادیث سے فائدہ اُٹھائے گا، اس کا اجر وثواب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (تا قیامِ قیامت صدقہ جاریہ کی صورت میں) الگ ملے گا۔ تو معلوم ہوا کہ علم باقی رہتا ہے، جب کہ مال فنا ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اے علم کے طالب! علم کی دولت سے وابستہ رہیے! اس بارے میں صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهُ»

(صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ)

"جب انسان مر جاتا ہے تو سوائے تین قسم کے اعمال کے بقیہ اس کے سارے اعمال اس سے کٹ جاتے ہیں: ایک صدقہ جاریہ کی صورت میں کوئی عمل، دوسرا کوئی ایسا علمی سرمایہ جس سے فائدہ اُٹھایا جائے، تیسرا کوئی نیک بچہ جو اس کے لیے دعائے خیر کرے۔"

## ③ عالم کو علم کی حفاظت میں تھکاوٹ نہیں ہوتی

اور یہ اس لیے کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم کی سعادت سے بہرہ ور فرما دیا، تو چونکہ اس کی اصل جگہ انسان کا دل و دماغ ہے، لہٰذا اس کے لیے کسی صندوق یا چابی وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ وہ انسان کے دل و دماغ میں پہلے سے محفوظ ہوتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ آپ کا محافظ ہے اور وہ اللہ عزوجل کے حکم سے آپ کو ہر قسم کے خطرے سے بچاتا ہے۔ تو علم آپ کی پاسبانی کرتا ہے، جبکہ مال کی آپ کو ہر لحظہ حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ آپ اسے تالے لگے صندوقوں میں بند کر کے رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود مطمئن نہیں ہو پاتے۔

## ④ انسان علم کے ذریعے حق پر گواہی دینے والوں میں شمار ہونے لگتا ہے

اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾

(آل عمران: ۱۸)

"اللہ نے خود بھی اس بات کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے بھی اور اہلِ علم نے بھی راستی اور انصاف کے ساتھ یہی گواہی دی ہے۔"

تو کیا اللہ تعالیٰ نے آیت میں اُولُو الْمَالِ یعنی مال و دولت والوں کا ذکر

کیا ہے؟ نہیں، بلکہ اس کے بجائے یہ الفاظ ہیں ﴿اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ کہ ''اہل علم نے بھی انصاف کے ساتھ اللہ کی وحدانیت کی گواہی دی ہے۔'' تو اے طالب علم! تیرے شرف و کمال کے لیے یہی بات کافی ہے کہ تیرا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جو فرشتوں کی رفاقت میں اللہ عزوجل کی یکتائی کی گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔

## ⑤ اہلِ علم کا شمار اہل ایمان کے والیوں میں ہوتا ہے

جن کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے اپنے ان الفاظ میں حکم دیا ہے۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء:۵۹)

''اے اہل ایمان! اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور اُن حاکموں کی بھی جو تم میں سے ہیں۔''

یہاں آیتِ کریمہ میں 'اہل ایمان کے والیوں' میں امراء، حکام، علماء کرام اور علم کے طلبہ سب شامل ہیں۔ اہلِ علم کی ولایت (سرپرستی) یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی شریعت طاہرہ کو بیان کریں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیں، جبکہ امراء و حکام کی ولایت (سرپرستی) سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کی شریعتِ طاہرہ کو من وعن نافذ کریں، اور لوگوں کو اس کا پابند بنائیں۔

## ⑥ اہلِ علم ہی اللہ کے دین اور حکم کو قائم و دائم رکھنے والے ہیں

اوران کا یہ عمل قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ اس کی دلیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ

کو یہ فرماتے سنا ہے: «مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِی الدِّيْنِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ مُعْطِیْ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الأُمَّةُ قَائِمَةٌ عَلَى أَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰهِ» (صحیح بخاری، کتاب العلم، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ)

"جس شخص کے ساتھ اللہ عزوجل بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں، تو اُسے دین میں سمجھ دے دیتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، اور اللہ جل شانہ عطا کرنے والے ہیں اور اس امت (کی ایک جماعت) ہمیشہ اللہ کے دین پر ثابت قدم رہے گی اور قیامت بپا ہونے تک کوئی اُن کا مخالف ان کو تکلیف (یا نقصان) نہیں دے سکے گا۔"

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس جماعت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ اہلِ حدیث نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ ان کے علاوہ اور کون لوگ ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

"کہ ان سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مراد اہل سنت اور وہ لوگ ہیں جو مذہب اہل حدیث کا عقیدہ رکھتے ہیں۔"

⑦ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے دو نعمتوں کے علاوہ کسی کو کسی شخص پر رشک کرنے ترغیب نہیں دی اور وہ قابل رشک دو نعمتیں یہ ہیں:

① علم حاصل کرنا اور اس کے مطابق اس پر عمل کرنا۔

② تاجر شخص، جو اپنے مال کو دین اسلام کی خدمت میں خرچ کرتا ہے، اور اس

کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لاَ حَسَدَ اِلّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا ، فَسَلَّطَ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِیْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا» (صحیح بخاری، کتاب العلم، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب: فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ)

"کہ دو قسم کے آدمی قابلِ رشک ہیں: ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال سے نوازا اور وہ اسے حق کی راہ میں لٹاتا ہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (دینی علم) سے بہرہ ور فرمایا اور وہ اسی کے ساتھ فیصلے کرتا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔"

⑧ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ "جو ہدایت اور علم اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر کے مبعوث فرمایا ہے، اس کی مثال اس بارش کی مانند ہے، جو زمین پر برسے، تو جو زمین اچھی اور زرخیز ہوتی ہے وہ پانی کو پی لیتی ہے اور گھاس اور سبزہ خوب اُگاتی ہے اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لوگ (اس کو) پیتے ہیں، اور (اپنے مویشیوں کو) پلاتے ہیں اور زراعت کو (سیراب) کرتے ہیں۔

اور کچھ بارش (زمین کے) دوسرے حصے کو پہنچتی ہے کہ جو بالکل چٹیل میدان ہے، جو نہ تو پانی کو روکتا ہے اور نہ ہی سبزی اُگاتا ہے۔ پس یہی مثال اس شخص کی

ہے جو اللہ کے دین میں فقیہہ ہو جائے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر مبعوث فرمایا ہے وہ اس سے فائدہ اُٹھائے اور (اس کو) پڑھے اور (دوسروں کو) پڑھائے۔ اور مثال ہے اس شخص کی جس نے اس کی طرف سر (تک) نہ اُٹھایا، اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں قبول نہ کیا۔

(صحیح بخاری، کتاب العلم/صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

⑨ بلا شک 'علم کا حصول' جنت کا راستہ ہے اور اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ»

(صحیح مسلم، کتاب الدعوات، باب فضل الإجتماع على تلاوة القرآن)

''اور جو شخص علم کی جستجو میں کسی راستے پر چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے، اُس کے لیے جنت کی طرف جانے کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔''

⑩ اور اس ضمن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے وہ (حضرت معاویہؓ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ» اس کی تخریج ماقبل میں گزر چکی ہے۔

(صحیح بخاری)

''جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دین میں سمجھ دے دیتا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے دین کا عالم وفقیہہ بنا دیتا ہے اور یہاں دین میں 'فقہ' سے مراد صرف وہی 'علم فقہ' نہیں جو اہل علم کے ہاں علمِ فقہ میں مخصوص

شرعی و عملی احکام ہیں، بلکہ اس سے مراد علم توحید، اصولِ دین اور اللہ عزوجل کی شریعتِ طاہرہ سے متعلقہ تمام مسائل وتفصیلات ہیں اور علم کے فضائل کے ضمن میں کتاب وسنت کے دلائل میں اس حدیث کے سوا کوئی اور دلیل نہ بھی ہوتی تو شرعی علوم اور ان میں مہارت حاصل کرنے کی ترغیب کے سلسلے میں یہی حدیث کافی تھی۔

⑪ بلا شک علم ایک ایسی روشنی ہے، جس کے ذریعے بندہ نورِ بصیرت سے بہرہ ور ہوتے ہوئے اس حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت کس طرح کرے اور اس کے بندوں سے کیسے معاملات طے کرے؟ تو اس عملی تگ و دو میں اس کا ہر کام علم وبصیرت کی بنیاد پر طے پاتا اور پورا ہوتا ہے۔

⑫ صاحبِ علم ایک ایسا چراغ ہے کہ جس کی روشنی میں لوگ اپنے دینی ودنیوی کاموں کی انجام دہی کے لیے راہ نمائی حاصل کرتے ہیں اور اس ضمن میں ہم میں بہت سے لوگ بنی اسرائیل کے اس شخص کا قصہ جانتے ہوں گے، جس نے ننانوے ۹۹ قتل کیے اور بعد ازاں اس نے زمین کے باسیوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے کے بارے میں پوچھا، تو اسے ایک عبادت گزار شخص کے بارے میں بتایا گیا، اس قاتلِ شخص نے صالح اور عابد سے پوچھا کہ آیا اس کی توبہ ممکن ہے؟ تو اس عبادت گزار شخص نے اسے بڑا بھاری گناہ گار گردانتے ہوئے کہا کہ تیری توبہ ممکن نہیں، تو اس پر اُس شخص نے (مایوس ہو کر اور غصے سے بپھرتے ہوئے) اس عابد کو بھی قتل کر دیا اور

اس طرح سو ۱۰۰ کی گنتی پوری کی۔ پھر وہ قاتل ایک صاحبِ عالم کے پاس گیا اور اس سے وہی بات پوچھی، تو اس عالم شخص نے اسے بتایا کہ اس کی سچی توبہ قبول ہو گی اور دنیا کی کوئی چیز اس کے اور توبہ کے درمیان رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ پھر اس نے اس قاتل کو (سچی توبہ کے بعد) نیکوکار لوگوں کی بستی کی طرف فوری طور پر چلے جانے کو کہا۔ تو وہ شخص اسی وقت اس علاقے کی طرف چل پڑا، جبکہ راستے ہی میں اسے موت نے آلیا۔...... یہ پورا قصہ مشہور و معروف اور صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

(صحیح بخاری: کتاب العلم/صحیح مسلم، کتاب التوبہ)

## ⑭ اللہ تعالیٰ اہلِ علم کو دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں سر بلند رکھتے ہیں

آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دین کی طرف دعوت و اِرشاد اور علم کے مطابق عمل کے حساب سے بلند درجات سے نوازے گا، اور دنیا میں بھی اللہ جل شانہ اپنے بندوں میں اُن کی اقامتِ دین کے سلسلے میں محنت و کاوش کا صلہ وثمرہ دیتے ہوئے انہیں امتیازی شان ومقام مرحمت فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ اِرشادفرماتا ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جو علم سے نوازے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ (دونوں جہانوں میں) ان کے درجے بلند کرے گا۔'' (المجادلۃ:۱۱)

# تیسری فصل

## حصولِ علم کا حکم

شرعی علوم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور جب کوئی شخص اس حد تک علم حاصل کر لے کہ وہ علاقے کے لوگوں کے لیے کافی ہو، تو پھر دوسرے لوگوں کے لیے علم حاصل کرنا سنت ہے۔ اور بسا اوقات اس علم کا حصول انسان پر فرض عین ہو جاتا ہے، خاص طور پر جب کوئی عبادت، جسے وہ ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا کوئی معاملہ جسے وہ نبٹانا چاہتا ہو اور ان دونوں قسم کے اعمال کا انحصار اسی ایک شخص پر ہو تو ایسے حالات میں اس پر یہ واجب ہے کہ وہ پہلے اچھی طرح سے جان لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا یہ عمل کیسے بجا لائے اور اس معاملے کو کس طرح صحیح طریقے سے سرانجام دے۔ اور اس کے سوا علم کی جو بھی صورت ہے وہ فرض کفایہ ہے۔ لہٰذا ایک طالب علم کو چاہیے کہ وہ دورانِ تعلیم و تعلم ہمہ وقت یہ بات اپنے پیش نظر رکھے کہ وہ ایک فرض کفایہ عمل کو ادا کر رہا ہے تا کہ وہ اس مبارک عمل، نیز تحصیل علم کے ساتھ ساتھ ایک فرض کی ادائیگی کا اجر وثواب بھی حاصل کر سکے۔

اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ علم حاصل کرنا، افضل ترین اعمال میں سے ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور خاص طور پر ہمارے آج کے اس دور میں جہاں ایک طرف اسلامی معاشرے میں بدعات وخرافات کثرت سے پھیلتی اور بڑھتی چلی جا رہی ہیں، تو دوسری طرف بغیر

علم کے صادر ہونے والے فتوؤں سے جہالت کا طوفان امڈتا چلا آرہا ہے۔ اور رہی سہی کسر جہالت کے مارے ہوئے لوگوں کے درمیان کثرت سے ہونے والی بحث وتکرار اور لڑائی جھگڑے نے پوری کر دی ہے۔

مذکورہ بالا ان تینوں قسم کے مسائل کی بناء پر نوجوانانِ ملت اسلامیہ پر یہ لازمی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ وہ شرعی علوم کو حاصل کرنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں۔ ہم یہاں اہمیت وافادیت کے پیش نظر ان تین قسم کے اُمور کو ترتیب سے دوبارہ ذکر کرتے ہیں۔

① بدعات وخرافات کا ظہور جن کا شر وفساد پھیلتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔

② بغیر علم کے دیے گئے فتوؤں کی شہرت اور ان پر کثرت سے لوگوں کا عمل پیرا ہونا۔

③ جہالت کے مارے ہوئے، فریب خوردہ لوگوں کی ایسے شرعی مسائل میں کثرت سے بحث وتکرار اور جھگڑا وفساد، جو اہل علم کے ہاں بسا اوقات واضح ہوتے ہیں، لیکن کوئی علم سے عاری شخص آ کر ان میں اختلاف کرتے ہوئے لوگوں کے درمیان جھگڑے وفساد کا طوفان کھڑا کر دیتا ہے، اسی بنا پر ہمیں آج کے پر آشوب دور میں ایسے علمائے حق کی اشد ضرورت ہے، جو علم میں وسعت کے ساتھ پختگی بھی رکھتے ہوں، اللہ کے دین کی صحیح سوجھ بوجھ کے حامل ہوں اور اللہ کے بندوں کی راہنمائی میں حد درجے کی حکمت ومصلحت کو بروئے کار لانے میں انہیں مہارت تامہ حاصل ہو۔

اس لیے کہ بہت سے لوگ اب کسی بھی مسئلے کو حل کرنے میں سطحی نگاہ سے

دیکھتے ہوئے دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں، جب کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اصلاح وفلاح اور صحیح تربیت کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ کسی بھی معاملے میں فتوی چھوڑتے ہیں، تو وہ مسلم معاشرے میں اتنے بڑے شر و فساد کا باعث بنتا ہے کہ جس کی انتہاء اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔

وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

# دوسرا باب

## طالب علم کے آداب اور علم کے حصول میں معاون اسباب

اور

اس باب میں دو فصلیں ہیں:

**پہلی فصل:**

طالبِ علم کے آداب

**دوسری فصل:**

علم حاصل کرنے میں معاون ومدد اسباب

# پہلی فصل

## طالب علم کے آداب

ایک طالب علم کے لیے جن آداب کو اپنانا نہایت ضروری ہے ان میں سے ہم چند ایک کا تذکرہ ذیل کی سطور میں کرتے ہیں۔

### ① اللہ عزوجل کے لیے اِخلاص اور سچا ارادہ

مطلب یہ ہے کہ طلب علم سے اس کا اصل مقصود اللہ جل شانہ کی رضا اور اُخروی زندگی میں کامیابی ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات پر اُبھارا اور اسی کی رغبت دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ (محمد:۱۹)

”تو آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور اپنے لیے گناہ کی معافی مانگیے۔“

نیز قرآنِ حکیم میں اہلِ علم کی مدح وستائش معلوم شدہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی مدح سرائی کرتا ہے یا کسی کی تعریف وستائش کا حکم دیتا ہے تو وہ عبادت کا عمل بن جاتا ہے، لہٰذا انسان پر اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو کر اور صرف اسی کی رضا وخوشنودی چاہتے ہوئے علم حاصل کرنا ازبس ضروری اور واجب ہے۔ اور اگر وہ شرعی علم کے ورے سندِ فراغت وغیرہ کا خواہاں ہے تاکہ اس کے ذریعے کوئی دنیوی مقام ومرتبہ پا سکے تو اس بارے میں سخت سزا کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے: «مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا

يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِي رِيْحَهَا»

(مسند احمد: ۳۳۸/۲/ سنن ابی داؤد، کتاب العلم/ سنن ابن ماجہ، مقدمہ میں، باب العلم والعمل بہ/ مستدرک حاکم: ۱۶۰/۱/ مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۳/۸/ امام حاکمؒ کہتے ہیں یہ حدیث صحیح اور اس کی سند ثقہ ہے۔)

''جس شخص نے ایسا علم کہ جس سے اللہ عزوجل کی رضا مندی حاصل ہوتی ہے، محض اس لیے سیکھا کہ اس سے دنیوی سامان اکٹھا کرے، تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پا سکے گا۔''

لیکن اگر کوئی طالب علم یہ کہے کہ میں سند فراغت دنیوی منفعت کے لیے نہیں بلکہ اس لیے لے رہا ہوں کہ موجودہ نظامِ تعلیم میں یہ سندِ فراغت کسی کے ماہر تعلیم ہونے یا وہ خاص فن میں مہارت رکھنے کا ایک ثبوت یا علامت ہے، تو اس پر ہم یہ کہیں گے کہ اگر ایسی سندِ فراغت حاصل کرنے سے انسان کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا یا انہیں تعلیم سے روشناس کرانا یا پھر کسی ادارے کی فلاح و بہبود ہو تو یہ نیت درست ہے اور اس پر اسے اجر ملے گا۔ (اِن شاء اللہ)

اور ہم نے 'طالب علم کے آداب' میں سب سے پہلے 'اخلاص' کو ذکر ہی اس لیے کیا ہے کہ یہ ہر نیک عمل کی بنیاد ہے، لہٰذا طالب علم کو چاہیے کہ وہ دورانِ تعلیم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بجا آوری کو پیش نظر رکھے ﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ﴾ (محمد: ۱۹)

''تو آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور اپنے لیے گناہ کی معافی مانگتے رہیے۔''

اس لیے کہ اللہ عزوجل نے یہاں علم کے حصول کا حکم فرمایا ہے، تو جب آپ علم سیکھتے ہیں تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

### ② اپنے اور اپنے علاوہ دوسروں سے جہالت کا ازالہ

طالب علم حسن نیت کے ساتھ یہ ارادہ رکھتا ہو کہ وہ علم کے ذریعے اپنے اور دوسروں سے جہالت کا سد باب کرے گا، کیونکہ انسان میں اصل چیز جہالت ہے اور اس کی دلیل اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (النحل:۷۸)

> ''اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے (اس حال میں) نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو۔''

اور واقعات بھی اسی بات پر گواہ ہیں، لہٰذا طلب علم سے جہالت کے خاتمے اور تعلیم کو عام کرنے کی نیت رکھیں۔ اس سے آپ کو اللہ تعالیٰ کی خشیت (خوف) حاصل ہوگی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ کہ ''اللہ کا اس کے بندوں میں (حقیقی) ڈر رکھنے والے اہلِ علم ہی ہیں۔'' (الفاطر:۲۸)

تو چونکہ آپ میں بھی اصل جہالت ہے، اس لیے یہ جذبہ وارادہ رکھنا ضروری ہے اور جب آپ علم پڑھ کر عالم بن جائیں گے، تو آپ سے جہالت کے بادل از خود چھٹ جائیں گے۔ اور اسی طرح امت کے دیگر افراد کو بھی علم کی روشنی سے

بہرہ ور کرنے اور ان سے جہالت کے اندھیروں کا خاتمہ کر دینے کا عزم صمیم کریں اور یہ تعلیم کے مختلف وسائل و ذرائع سے ممکن ہے، تاکہ آپ کے علم سے دیگر لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

اور کیا نفع بخش علم کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ مسجد ہی میں اپنے علم سے فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟ تو اس سوال کا جواب مذکورہ عبارت کا دوسرا جملہ ہے۔ مطلب یہ کہ اس کام کے لیے مسجد کا حلقہ شرط نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد ہے۔

«بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً» (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

''کہ مجھ سے اگر (ایک) آیت بھی ملے تو اسے واشگاف انداز سے دوسروں تک پہنچا دو۔''

اور یہ اس لیے کہ جب آپ کسی کو تعلیم دیں گے اور وہ آگے کسی دوسرے شخص کو سکھلائے گا، تو آپ کے لیے دو آدمیوں کو تعلیم دینے کا اجر ہے اور اگر وہ شخص آگے کسی تیسرے شخص کو سکھلائے گا تو اس کا اجر بھی آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور اسی طرح یہ سلسلہ بڑھتا چلا جائے گا۔ اور یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے بدعات کے سر اُٹھانے کا بھی خدشہ لاحق ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ انسان جب عبادت کا عمل سرانجام دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے: ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ ثَوَابَھَا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ'' ''کہ اے اللہ! اس عمل کا ثواب اللہ کے رسول ﷺ کو عطا فرما۔''

حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ وہ ہستی ہیں جنہوں نے یہ عبادت کا طریقہ تجھے سکھلایا اور اس پر راہنمائی فرمائی، لہٰذا ان کے لیے تو پہلے سے تیرے جیسا عمل لکھا جا چکا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمل کے مساوی کوئی چیز نہیں ہو سکتی، اگر عالم کی نیت صحیح ہو۔لوگوں نے پوچھا یہ کیونکر ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ علم سے اپنی اور اپنے علاوہ دوسروں کی جہالت کے سد باب کا ارادہ کرتا ہے، اس لیے کہ اصل تو لوگوں میں جہالت ہوتی ہے، جیسا کہ آپ میں بھی ہے۔تو جب آپ اس اُمت سے جہالت کے خاتمے کی نیت سے علم حاصل کریں گے،تو آپ کا شمار اللہ کی راہ میں نکلے مجاہدین میں ہوگا جو اللہ کے دین کو پھیلاتے ہیں۔

### ④ شریعتِ طاہرہ کا دفاع

کہ طالب علم،شرعی علوم کے ذریعے شریعت طاہرہ کے دفاع کا ارادہ رکھتا ہو، اس لیے کہ صرف کتابوں سے شریعت کی مدافعت ناممکن ہے۔ اورشریعت کا صحیح دفاع ایک شریعت کا حامل و عالم ہی کر سکتا ہے۔مثلاً اہل بدعت میں سے اگر کوئی شخص ایک ایسے کتب خانے کے پاس آکر اپنی بدعات وخرافات کے حق میں گفتگو کرنی شروع کردے، جو دینی علوم پر مشتمل کتابوں سے بھرپور ہو،تو میرا خیال نہیں کہ اس کتب خانے کی ایک کتاب بھی اس بدعتی کا رد کرے گی۔

لیکن اگر وہی بدعتی شخص کسی صاحب علم کے پاس اپنی بدعت کا تکرار کرے،تو ایک طالب علم بھی فوراً کتاب وسنت کے دلائل سے اس کا رد کرے گا۔لہٰذا ایک طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ طلب علم سے شریعت طاہرہ کے دفاع کا پختہ ارادہ رکھے،اس لیے کہ دوسرے سامانِ حرب (اسلحہ) کی طرح اصحاب شریعت کے بغیر،شریعت طاہرہ کا دفاع نہیں کیا جا سکتا۔تو یہاں سوال یہ ہے کہ اگر ہمارے پاس بڑی مقدار میں اسلحے سے بھرے گودام ہوں،تو کیا یہ اسلحہ ازخود اتنی صلاحیت

رکھتا ہے کہ دشمن پر استعمال ہو کر اس کو تباہ و برباد کر دے یا پھر اس کے چلانے کے لیے ماہر جوانوں کی ضرورت ہو گی؟ تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس کام کے لیے ماہرین اور جوانوں کی اشد ضرورت ہے۔ یہی حال علم اور صاحب علم کا ہے۔

پھر بدعات ہر دور میں نئے رنگ روپ بدل کر سر اُٹھاتی ہیں۔ بعض بدعات جو کہ پہلے دور میں ظاہر ہوئیں مگر کتابوں میں اُن کا تذکرہ نہیں ملتا، تو ایسے حالات میں ان سے شریعت طاہرہ کا دفاع ایک طالب علم ہی کر سکتا ہے، اور اسی بناء پر میں یہ کہوں گا کہ ایک طالبِ علم کے لیے جن امور کو مدنظر رکھنا اور اپنانا واجب ہے، ان میں ایک شریعت طاہرہ کا دفاع بھی ہے، جبکہ لوگ اہلِ علم کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ وہ بدعتی اور دوسرے اللہ کے دشمنوں اور اس کے دین کے دشمنوں کا بھرپور طریقے سے توڑ پیش کر سکیں، اور یہ کام صحیح کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ شرعی علم کے بغیر ممکن نہیں۔

## ④ اختلافی مسائل میں وسعتِ ظرفی کا مظاہرہ

اجتہادی مسائل میں اختلاف کے وقت اپنا سینہ کشادہ رکھے اور وسعت ظرفی کا ثبوت دے، اور یہ جان لے کہ علماء کے درمیان اختلافی مسائل میں ایک صورت تو یہ ہے کہ جہاں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور معاملہ واضح ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کی مخالفت کا کوئی شخص بھی مجاز نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش ہو تو اس میں دوسرا شخص دلیل کے ساتھ اختلاف رائے کا حق رکھتا ہے۔ اور اس جیسے مسئلہ میں آپ کا قول مخالف فریق کے خلاف حجت نہیں ہو گا اور یہ اس لیے کہ اگر ہم یہ مان لیں تو پھر یہ بھی

ماننے اور کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ آپ کے مخالف شخص کا قول آپ کے خلاف حجت (دلیل) ہے۔

اور اس کلام سے میری مراد صرف وہ مسائل ہیں جن میں انسان اختلاف رائے کا حق رکھتا ہو، تو جو شخص صحیح عقیدہ سے متعلقہ اُن مسائل کی مخالفت کرے جو سلف صالحین رحمہم اللہ کے اختیار کردہ منہج (طریقہ) کے مطابق ہیں، تو ایسی صورت میں کسی بھی شخص کی مخالفت قابلِ قبول نہ ہوگی۔ لیکن دیگر مسائل جن میں اختلاف رائے کی گنجائش ہے، تو اس اختلاف کی آڑ میں دوسروں پر طعن و تشنیع کرنا یا ان کو فریقین کے درمیان دشمنی وعناد کا سبب بنانا کسی بھی صورت میں ایک صاحبِ علم یا طالب علم کے شایانِ شان نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم! بھی بہت سارے مسائل میں اختلاف کرتے تھے، اور جو شخص اس بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہو، وہ اُن سے متعلقہ وارد آثار وواقعات پڑھ کر بخوبی جان سکتا ہے کہ وہ اختلافات کتنے زیادہ مسائل میں اور آج کے ان اختلافی مسائل کی نسبت حقیقت میں کتنے بڑے تھے، کہ جن کی بنا پر لوگ دینی جماعتوں اور مختلف دھڑوں میں بٹ گئے ہیں، یہاں تک کہ انہیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں' کہ میں تو اس مسئلہ میں فلاں کا پیرو ہوں۔ تو گویا ایک اجتہادی مسئلہ میں 'اختلاف' رائے سے بڑھ کر، جماعتی اور گروہی تعصب تک جا پہنچا ہے۔ جو کہ ہر اعتبار سے غلط ہے۔

ایسے اختلاف کی ایک مثال یہ ہے کہ کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ جب نماز میں رکوع کے بعد اُٹھیں تو اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے پہلے قیام

کی طرح نہ کھڑے ہوں بلکہ اپنے دونوں ہاتھ سیدھے رانوں کے ساتھ لٹکائے رکھیں، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پھر آپ بدعتی ہوں گے۔

اور یہ کلمہ 'بدعت' کوئی شخص بھی آسانی سے ہضم نہیں کر سکتا اگر کوئی میرے بارے میں یہ کہے تو میرے دل میں بھی ناپسندیدگی جنم لے گی، کیونکہ انسان بشر ہے اور ہم اس مسئلہ کے بارے میں یہی کہیں گے کہ اس میں وسعت ہے، چاہے تو رکوع کے بعد ہاتھ باندھ لو اور چاہو تو سیدھے چھوڑ دو...... اور اسی بنا پر ہی امام احمد رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کو بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر باندھنے یا انہیں سیدھا چھوڑ دینے میں اختیار ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں وسعت ہے۔ لیکن اس مسئلہ کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لیے سنت طریقہ کیا ہے؟

## جواب

اس بارے میں سنت یہ ہے کہ آپ رکوع سے اُٹھنے کے بعد اپنے بائیں ہاتھ پر دائیں کو رکھتے ہوئے اسی طرح باندھ لیں جس طرح آپ پہلے قیام میں باندھتے ہیں۔ اور اس کی دلیل حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی 'صحیح' میں ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو حکم تھا کہ آدمی نماز میں اپنے بائیں بازو (ہاتھ) پر اپنا دایاں ہاتھ رکھے۔

تو آپ ذرا ان الفاظ پر غور کیجیے! کہ کیا نماز میں اس حالت سے مراد سجدے کی حالت ہے یا رکوع کی حالت مراد ہے یا پھر وہ اس سے مراد بیٹھنے (تشہد وغیرہ) کی کیفیت لے رہے ہیں؟ بات واضح ہے کہ صحابی رسول رضی اللہ عنہ اس کیفیت

سے مراد قیام کی حالت لے رہے ہیں جو کہ رُکوع سے پہلے اور رُکوع سے بعد کی قیام کی دونوں حالتوں کو شامل ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم اہل علم کے مابین اس اختلاف کو آپس میں افتراق وانتشار اور جھگڑے کا سبب نہ بنائیں، اس لیے کہ ہم سب حق کی جستجو میں ہیں اور ہم میں سے ہر ایک اس حق کو پانے کے لیے خلوصِ نیت سے اپنی ممکنہ حد تک کوشش کرتا ہے، تو جب تک معاملہ اجتہادی اختلاف کا ہو اُس وقت تک اسے علماءِ حق کے درمیان باہمی دشمنی اور فرقہ واریت کا سبب بنانا ہرگز جائز نہیں۔

اس لیے کہ علماء تو عہد نبوتؐ سے ایسے مسائل میں اختلاف کرتے چلے آئے ہیں تو طلبہ پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ ایک ہاتھ کی مانند رہیں اور ایسے اجتہادی اختلاف کو آپس میں بغض وعناد اور باہمی نفرت کا باعث نہ بنائیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اگر آپ نے دلیل کی بنیاد پر اپنے ساتھی کی مخالفت کی ہے، تو اگر وہ بھی اپنی دلیل کی بنیاد پر آپ سے اختلاف کرتا ہے تو پھر آپ سب کو ایک ہی اُصول پر کار بند رہنا چاہیے اور اس بنا پر آپ کے ساتھی کا بھی یہ حق ہے کہ وہ آپ سے اختلاف کرے (اور اختلاف برائے اختلاف نہیں بلکہ اختلاف برائے تحقیق ہو) اور اس طرح آپ کی محبت پروان چڑھے، اور اسی وجہ سے ہم اپنے نوجوانانِ ملت اسلامیہ سے محبت کرتے اور انہیں مبارک باد کا حق دار ٹھہراتے ہیں، کہ ان میں دینی مسائل کو شرعی دلائل کے ساتھ پرکھنے اور سمجھنے کا خاصا پختہ رجحان ہے۔ اور وہ اپنے علم وآگہی کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی بنیاد پر پڑھتے، پڑھاتے اور سمجھتے سمجھاتے ہیں۔ اور تعلیم وتعلم کے اس طریقۂ کار میں ایک بڑی خیر کا پہلو

ہے اور وہ یہ کہ اس سے صحیح منہج اور مضبوط بنیادوں پر قائم علم کے دروازے وا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور ہم اُن سے یہ ہرگز توقع نہیں کرتے کہ وہ اپنے اس مبارک عمل کو بغض و عناد اور فرقہ واریت کا ذریعہ بنائیں، اللہ جل شانہ نے اپنے نبی مکرم ﷺ سے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ (الانعام:۱۵۹)

''بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے، اُن سے آپ کو کچھ سروکار نہیں۔''

لٰہذا وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو احزاب (گروپوں اور مذہبی فرقوں) میں بانٹ لیا، جن کی طرف وہ (فخر سے) اپنی نسبت کرتے ہیں، تو ہم اس معاملے میں اُن کی موافقت نہیں کریں گے، اس لیے کہ اللہ کی (حزب) جماعت صرف ایک ہے اور بخوبی جانتے بھی ہیں کہ فہم و ادراک کا اختلاف یہ لازم نہیں ٹھہراتا کہ لوگ ایک دوسرے سے بغض و عناد رکھتے ہوئے اس حد تک جا پہنچیں کہ کوئی اپنے بھائی کی عزت تک خاک میں ملا دے۔ (والعیاذ باللہ)

تو دینی علوم کے طلبہ پر یہ واجب ہے کہ وہ بھائی بھائی بن کر رہیں، خواہ فروعی مسائل میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ اور ہر ایک پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ دوسرے کو انتہائی اطمینان و وقار کے ساتھ بحث و مباحثے کی طرف دعوت دے جس کے ذریعے وہ محض اللہ کی رضا اور اصل علمی نتیجے تک پہنچنا چاہتا ہو، اس سے ایک تو آپس میں الفت و محبت بڑھے گی اور دوسرے وہ ضد اور سختی ختم ہو گی، جو بعض لوگوں میں اس حد تک پائی جاتی ہے کہ معاملہ ذاتی

اختلافات اور لڑائی جھگڑے تک جا پہنچتا ہے۔ اور یہی وہ خطرناک صورتِ حال ہے جس سے دشمنانِ اسلام بڑے خوش ہوتے ہیں اور اُمت مسلمہ میں یہ افتراق و انتشار سب سے زیادہ نقصان دہ چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الانفال:۴۶)

''اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو، اللہ تعالیٰ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اور اس طرح کے مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اختلاف کرتے رہے ہیں، مگر اسکے باوجود وہ سب اُلفت و محبت کے باوصف یک جان دو قالب کی مثال تھے، بلکہ میں یہ بات ببانگِ دہل کہوں گا کہ اگر کوئی آدمی اپنے پاس دلیل کی بنیاد پر آپ سے اختلاف کرتا ہے، تو وہ حقیقت میں آپ کی موافقت کرتا ہے، اس لیے کہ آپ میں سے ہر ایک تحقیقی میدان میں حق بات کا متلاشی ہے اور پھر دونوں کا مقصد ایک ہے۔ تو جب تک آپ اس بات کے معترف ہیں کہ وہ آپ سے اختلاف اس دلیل کی بنیاد پر کرتا ہے جو اُس کے پاس موجود ہے تو پھر اختلاف کہاں ہے؟ تو بس یہی وہ درست طریقہ ہے جس کے ہوتے ہوئے اُمتِ مسلمہ ایک پلیٹ فارم پر رہ سکتی ہے، خواہ دلائل کی موجودگی میں بعض مسائل میں اختلافات ہی کیوں نہ ہوں، مگر وہ شخص جو حق واضح ہو جانے کے باوجود ہٹ دھرمی اور کبر و نخوت کا مظاہرہ کرتا ہے، تو بلا شک ایسے شخص کے بغض و عناد اور مخالفت کے جواب میں اس کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کیا جانا چاہیے جس کا وہ مستحق ہے

اور ہر مسئلے کا اپنا حکم ہے۔

## ⑤ علم کے مطابق عمل

کہ طالبِ علم اپنے شرعی علم اور سوجھ بوجھ کے مطابق عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاشرتی آداب اور معاملات کو سرانجام دینے میں پورا اہتمام کرے، کیونکہ یہی وہ علم کا اصل ثمرہ اور حاصل ہے اور ایک صاحبِ علم کی مثال اس مسلح شخص کی سی ہے جس کا اسلحہ یا تو اس کے اپنے دفاع کے لیے ہوتا ہے اور یا پھر وہی اسلحہ اس کے ہی خلاف استعمال ہو جاتا ہے۔اسی لیے اللہ کے نبی ﷺ کا اِرشاد ہے:«اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ»

(صحیح مسلم:۲۲۳/ جامع ترمذی:۳۵۱۷/سنن نسائی:۲۴۳۷)

''اگر تو نے قرآن پر عمل کیا تو یہ تیرے حق میں دلیل ہوگا اور اگر تو اس پر عمل پیرا نہ ہوا تو یہی قرآن قیامت کے دن تیرے خلاف حجت ہوگا۔''

اور یہی صورت حال اس عمل کی ہے جو احکام کی بجا آوری اور اخبار کی تصدیق سے اللہ کے نبی ﷺ کی ذات گرامی تک صحیح اور پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہو۔تو جب بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے کوئی حکم آئے تو اُسے من وعن درست تسلیم کرے اور برضا و رغبت قبول کرتے ہوئے اس پر عمل کرے اور آگے سے کیوں؟ اور کیسے؟ کے الفاظ ہرگز نہ کہے، کیونکہ یہ انداز اہل ایمان کے طریقے سے ہٹ کر ہے۔اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ (الاحزاب:۳٦)

''اور کسی مؤمن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی کام کی بابت فیصلہ کر دے، تو ان کے لیے اپنے معاملہ میں کچھ اختیار باقی رہ جائے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں جا پڑا۔''

اور اللہ کے نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بسا اوقات ایسی چیزوں کی بابت بتایا کرتے تھے جو ان کے لیے اجنبی اور ان کی سوجھ بوجھ سے دور ہوتی تھیں، مگر وہ انہیں صدقِ دل سے قبول کرتے تھے، آگے سے یہ نہیں کہتے تھے 'یہ کیوں اور کیسے ہوا ہے؟' لیکن اس کے برعکس اسی امت میں سے بعد میں آنے والے (یا آج کے دور کے) لوگوں میں ہم نے ایسے افراد بھی پائے ہیں کہ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کی جاتی ہے اور اُسے سن کر ان کی عقلیں ماؤف ہونے لگتی ہیں تو وہ جھٹ رسول اللہ ﷺ کے کلام پر ایسے الفاظ کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ بجائے ہدایت و راہنمائی کے صرف اور صرف اعتراضات جڑ رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہدایت کی توفیق سے وہ یکسر محروم ہو جاتے ہیں، کیونکہ حق کی صورت میں جو کچھ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی جناب سے آیا ہے، اس کو انہوں نے صدقِ دل سے نہ قبول کیا ہے اور نہ تسلیم۔

مثال کے طور پر نبی مکرم ﷺ سے مروی یہ حدیث ہے آپؐ نے فرمایا:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرِ فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ» (صحیح بخاری، کتاب التہجد/صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین)

''کہ جب رات کا آخری ثلث (تیسرا پہر) رہ جاتا ہے، تو ہمارا رب آسمانِ دنیا

کی طرف نزولِ اجلال فرماتا ہے اور فرماتا ہے 'جو مجھے پکارے گا میں اس کی دعا قبول کروں گا۔ جو مجھ سے سوال کرے گا میں اُسے عطا کروں گا۔ جو مجھ سے بخشش طلب کرے گا میں اس کو معاف کر دوں گا۔''

یہ حدیث نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی اور بہت ہی معروف بلکہ متواتر حدیث ہے۔ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک نے بھی اسے سن کر یہ یا اس جیسا سوال نہیں کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ ہمارا رب آخر کیسے آسمانِ دنیا پر اُترتا ہے اور کیا اس وقت اللہ کا عرش خالی ہو جاتا ہے یا نہیں؟ لیکن اسی حدیث کے حوالے سے ہم نے بعض لوگوں کو ایسی گفتگو کرتے پایا ہے کہ پھر وہ (اللہ تعالیٰ) عرش پر کیسے ہوتا ہے جب کہ وہ آسمانِ دنیا پر بھی اُترتا ہے؟ اور اسی طرح کے دیگر اشکالات جن کو وہ بار بار لاتے ہیں ...... اگر وہ یہ حدیث سنتے ہی من وعن صدقِ دل سے قبول کر لیں اور دل و جان سے یہ اقرار کریں کہ بلا شک اللہ جل شانہ اپنے عرش پر مستوی ہے اور بلندی و بزرگی اس کی ذاتِ اقدس کا لازمہ ہے، اور وہ جس طرح چاہتا ہے نزول فرماتا ہے (ہر قسم کی کمی اور عیب سے اس کی ذات پاک اور بلند و بالا ہے) تو یہ اشکال اور شبہ از خود اور فی الفور ان سے دور ہو جاتا، اور جو کچھ نبی رحمت ﷺ نے انہیں اپنے پروردگار کی بابت بیان فرمایا ہے، انہیں ذرہ بھر حیرت نہ ہوتی۔

لہٰذا غیبی اُمور سے متعلق جو کچھ بھی اللہ اور اس کے رسولؐ ہمیں بتائیں، اُن کو خلوصِ دل سے برضا و رغبت تسلیم کر لینا ہم پر واجب ہے۔ اور مزید یہ کہ ان دینی اُمور کو اپنے ذہنوں میں پوشیدہ تصورات اور ظاہری مشاہدات کے پیمانوں اور زاویوں سے ماپنے اور پرکھنے سے بچیں، اس لیے کہ غیبی اُمور عقل سے بالا تر

ہیں۔ اور اس سلسلے میں بہت سی مثالیں موجود ہیں جنہیں ذکر کر کے میں مضمون کو طول نہیں دینا چاہتا۔ سرِ دست اہم بات یہ ہے کہ ان جیسی احادیث میں ایک مومن کا مقام وشان یہ ہے کہ وہ انہیں فوراً درست تسلیم کرتے ہوئے یہ اقرار کرے کہ (صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ) ''سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾(البقرة:۲۸۵)

''رسولؐ پر اس کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا، اس پر وہ خود بھی ایمان لایا اور سب اہل ایمان بھی ایمان لائے۔''

اسی لیے صحیح عقیدہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اساس اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے رسولؐ کی سنت (حدیث) ہو۔ اور انسان کو یہ جان لینا چاہیے کہ وحی الٰہی (کتاب وسنت) میں (رد و بدل کے لیے) عقل کو کچھ دسترس حاصل نہیں، میں یہ تو نہیں کہتا کہ 'وحی الٰہی' کو سمجھنے کے لیے عقل کا استعمال جائز نہیں، بلکہ اس سے میری مراد 'وحی الٰہی' (کتاب وسنت) کی منشاء ومقصود کو اپنے فہم وشعور کے تابع کرنا ہے☆ نہ کہ عقل وفہم کو 'وحی' کے تابع رکھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونا۔

وگرنہ یہ بات بھی واضح ہے کہ عقلِ سلیم اللہ جل شانہ کے اوصافِ کمال پر شاید اور انہیں درست تسلیم کرتی ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے حقیقی کمال کی تفاصیل کو جان لینا عقل سے ماوراء ہے، لیکن وہ (عقلِ سلیم) اتنا ضرور جانتی ہے کہ ہر کاملِ صفت اللہ جل شانہ کی ذات کے شایانِ شان اور اس کے لیے ثابت شدہ ہے۔

☆ یہ مسئلہ اگرچہ تفصیل طلب ہے، مگر علامہ اقبالؒ کا یہ شعر اسے سمجھنے میں کافی ممد ثابت ہوگا
اَحکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر...... تاویل سے قرآن (وسنت) کو بنا دیتے ہیں پاژند (مترجم)

تو ایک صحیح عقیدہ کے ضمن میں طالب علم کو اس علم (کتاب وسنت) کے مطابق عمل کرنا چاہیے، جو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم احسان ہے اور اسی طرح عبادت (اللہ عزوجل کی بندگی واطاعت) کے ضمن میں بھی اس بات کا سخت اہتمام ہونا چاہیے۔

اور جیسا کہ ہم میں سے اکثر یہ جانتے ہیں کہ عبادت کا انحصار دو بنیادی امور پر ہے۔

① ایک اخلاص (کہ عبادت خالص اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کیلئے ہو۔)

② اِطاعت ومتابعت (کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق ہو)

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عبادت (وبندگی) کی اساس کتاب وسنت پر رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق بجا لائے اور اللہ کے دین میں کوئی ایسی چیز نہ نکالے جس کی (وحی الٰہی سے) کوئی دلیل نہ ملتی ہو، نہ ہی عبادت کے 'اصل' میں اور نہ ہی عبادت کے 'وصف' میں۔ اور اسی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی بھی عبادت کو بجا لاتے ہوئے ان تمام امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ اس عبادت کی ظاہری صورت (ادائیگی کا طریقہ اور کیفیت) اس کی جگہ، اس کا وقت اور اس کا سبب، شرعی اعتبار سے صحیح اور ثابت ہوں۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی دلیل کے عبادت کے لیے کوئی سبب ثابت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت شروع کر دیتا ہے، تو ہم اس کے اس عمل کو رد کر دیں گے اور کہیں گے کہ تیری یہ عبادت مردود (غیر

مقبول) ہے، کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ شرعی دلیل سے ثابت کرے کہ اس کا یہ عمل اس فلاں عبادت کے سبب سے ہے، وگرنہ اس کا عمل قابل قبول نہ ہو گا۔ اسی طرح کوئی شخص عبادات کی قبیل سے کسی ایسی عبادت کا آغاز کرتا ہے، جس کا شرع میں کوئی ثبوت نہ ہو یا کوئی عبادت کا ایسا عمل سرانجام دیتا ہے، جس کا شریعت طاہرہ میں ثبوت تو ہے مگر اس کی ظاہری صورت اور کیفیت یا اس کی ادائیگی کا وقت شریعتِ طاہرہ کی متعین کردہ کیفیت (ادائیگی طریقہ) یا ادائیگی وقت کے خلاف ہے، تو ہم کہیں گے کہ اس کی یہ عبادت مردود (غیر مقبول) ہے۔ اس لیے کہ صحیح اور مقبول عبادت وہ ہے جو شریعت طاہرہ کے مطابق ہو اور یہی وہ اس شرعی علم کا تقاضا ہے، جو اللہ جل شانہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے کہ آپ اللہ عزوجل کی عبادت و اطاعت اُس کی نازل کردہ شریعت کے مطابق بجا لائیں۔ اور اسی بناء پر علمائے کرام کہتے ہیں کہ عبادات میں اصل 'ممانعت' ہے۔ یہاں تک کہ اس کی مشروعیت پر کوئی دلیل مل جائے۔ (مطلب یہ ہے کہ عبادت میں بغیر شرعی دلیل کے کوئی عمل اپنی طرف سے اضافہ کے مترادف ہے جو کہ صریح ناجائز اور بدعت ہے)

اور وہ قرآن حکیم کی اس آیت سے دلیل لیتے ہیں:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ اللَّهُ﴾

''کیا ان لوگوں کے ایسے شریک ہیں، جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا طریقہ مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔'' (الشوریٰ:۲۱)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

فرمان بھی ان کی دلیل ہے۔

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ)

"جس شخص نے ہمارے طریقہ سے ہٹ کر کوئی عمل کیا تو وہ عمل مردود ہے۔"

خواہ آپ اس عمل میں کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک رسائی اور اس کی رضا وخوشنودی کا حصول آپ کا مقصود ہو، پھر بھی چونکہ یہ عمل شریعتِ طاہرہ کے بتلائے ہوئے طریقہ سے ہٹ کر ادا کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ آپ پر ہی مار دیا جائے گا۔ اور اس لیے بھی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ملنے کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنے کے لیے مشروع نہیں کیا، لہٰذا یہ عمل مردود (غیر مقبول) ہے۔ لہٰذا ایک طالب علم پر یہ واجب ہے کہ وہ حاصل کردہ شرعی علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بندگی کا عمل بجا لائے۔ نہ اس میں کسی چیز کا اضافہ کرے اور نہ کوئی کمی کرے۔ اور عبادت کی قبیل سے کوئی بھی عمل محض یہ سمجھتے ہوئے یا یہ بات کہتے ہوئے ہرگز نہ کرے کہ اس کی ادائیگی میں میرا دل مطمئن، روح پرسکون اور سینہ روشن ہوتا ہے، خواہ ایسا عمل کرنے سے اُسے مذکورہ فوائد کیوں نہ حاصل ہوتے ہوں، عمل کی درستگی کو ان باتوں سے نہ پرکھے، بلکہ اس کے بجائے وہ اسے شریعت طاہرہ (کتاب و سنت) کے میزان پر رکھ کر وزن کرے، تو اگر کتاب وسنت اس کے صحیح ہونے کی گواہی دیتے ہیں تو سر آنکھوں پر، وگرنہ یہ خطرہ ہے کہ اس کے غلط اور برے عمل کو شیطان نے نیکی کے رنگ میں مزین کر کے اُسے دکھایا ہے۔ (وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ)

جیسا کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾

''بھلا جس شخص کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا جائے اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگے (اس کی گمراہی کا کوئی ٹھکانہ ہے؟) اللہ تعالیٰ (اسی طرح جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔'' (الفاطر:۸)

اسی طرح عام عادات واخلاق اور معاملات کے میدان میں بھی دینی علوم کی بنیاد پر عمل پیرا ہونے کا اہتمام کرے۔اور شرعی علم تو ہر اچھی عادت مثلاً سچائی، دیانت داری ،وفاداری، خاص طو پر اہلِ ایمان کے لیے خلوص ،محبت و مؤدت اپنانے کی دعوت دیتا ہے۔جیسا کہ اس بارے میں نبیِ رحمت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:«لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ»

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، صحیح مسلم، کتاب الایمان)

''کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

اور آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:

«مَنْ أَحَبَّ اَنْ یُّزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَیُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَأْتِهٖ مَنِیَّتُهٗ وَهُوَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ، وَلْیَأْتِ إِلَی النَّاسِ مَا یُحِبُّ أَنْ یُؤْتٰی اِلَیْهِ» (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ)

''جو شخص آتشِ جہنم سے بچ جانے اور جنت میں چلے جانے کا خواہش مند ہو تو اس کا خاتمہ اس حال میں ہونا چاہیے کہ وہ ایک اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اور لوگوں کے ساتھ ایسا رویہ رکھتا ہو جیسا رویہ وہ اپنے لیے پسند

کرتا ہے (کہ لوگ اس کے ساتھ رکھیں)''

اور بہت سے ایسے لوگ جو غیور، نیکی و بھلائی کے خوگر اور اسے چاہنے والے ہوتے ہیں، مگر وہ لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش نہیں آتے، یہاں تک کہ اللہ کے دین کی طرف دعوت وارشاد کے موقعہ پر بھی ہم ان میں شدت اور سخت رویہ دیکھتے ہیں اور دعوت و تبلیغ جیسے عظیم کام میں سختی اور شدت استعمال کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ اور یہ اس خلقِ عظیم کے سراسر منافی ہے، جس کا اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے۔

✱ اور یہ جان لیجئے کہ حسن اخلاق ان خوبیوں میں سے ایک ہے کہ جس کے ذریعے اللہ جل شانہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور لوگوں میں سے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب اور مقام و مرتبے کے اعتبار سے سب سے قریب تر وہ شخص ہے، جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ قَالَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ»

(ترمذی، کتاب البر والصلۃ؛ مسند احمد بایں الفاظ، إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ أَحْسَنُكُمْ خُلُقًا: ۱۸۹/۲؛ شرح السنۃ للبغوی: ۳۶۶/۱۲؛ مجمع الزوائد امام الہیثمیؒ کی اور یہ کہتے ہیں کہ اسے امام احمدؒ اور امام طبرانیؒ نے روایت کیا ہے اور امام احمدؒ کی روایت کے راوی 'الصحیح' کے راوی ہیں۔)

''یقیناً میرے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ پیارا اور قیامت کے روز مرتبے کے اعتبار سے سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ شخص ہوگا، جو تم میں سے اخلاق میں سب سے اچھا ہے اور اسی طرح میرے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے دور تم میں سے ثَرْثَارُوْنَ (یعنی باچھیں کھولتے ہوئے لوگوں سے مذاق اور ٹھٹھا کرنے والے) اور مُتَفَیْھِقُوْنَ ہوں گے، لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ ثرثارون اور متشدقون کے بارے میں تو ہم نے جان لیا، مگر یہ مُتَفَیْھِقُوْنَ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا تکبر کرنے والے۔ (وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ)

## ⑥ اللہ جل شانہ کے دین کی طرف دعوت

طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے حاصل کردہ علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کے دین کی دعوت دے، ہر مناسب مقام پر، خواہ وہ مسجد ہو، جلسہ گاہ ہو، بازار ہو، یا کوئی اور عوامی اجتماع ہو، یہ اس لیے کہ ہمارے نبی مکرم ﷺ، اللہ تعالیٰ کی جانب سے منصب نبوت و رسالت مل جانے کے بعد اپنے گھر میں آرام سے نہیں بیٹھے، بلکہ آپؐ ہر دم لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے اور دین کی دعوت دیتے رہے۔ اور میں تشنگانِ علم دین سے یہ ہرگز توقع نہیں کروں گا کہ وہ محض کتابوں کے نسخے بن کر رہ جائیں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ وہ باعمل علماء کا کردار ادا کریں۔

## ⑦ حکمتِ عملی

طالب علم کو حکمت کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہونا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ

اُوتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا﴾ (البقرة:۲٦۹)

''کہ (اللہ تعالیٰ) جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر دے دی گئی۔''

اور یہاں 'حکمت' سے مراد یہ ہے کہ طالب علم اُن اخلاقِ حسنہ جن سے وہ خود مزین ہے، کے ذریعے دوسروں کی تربیت کا بندوبست کرے ،اور لوگوں کو اللہ عزوجل کے دین کی دعوت اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے دے کہ وہ ہر انسان کو اس کے حالات (یعنی طبیعت ومزاج) کو جانچتے پرکھتے ہوئے، نیز اس کے مبلغِ علم کے مطابق اس سے بات کرے۔ اگر ہم نے دعوت وتبلیغ کے میدان میں اس اسلوب کو اختیار کیا اور ایسے مناسب راستہ پر چلے، تو اللہ عزوجل کے اس فرمان کے مطابق ہم اپنے مقصد میں سرخرو ہوں گے اور ہمیں خیر کثیر حاصل ہوگی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔﴿وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا﴾

''اور جو شخص حکمت سے نوازا گیا اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔''

اور حَکِیۡمٌ وہ ہوتا ہے، جو اشیاء کو ان کے اصل مقام پر رکھتا ہے، کیونکہ لفظ 'حکیم' إحکام سے ماخوذ ہے اور عربی میں إحکام، إتقان کے معنی میں ہے ۔جیسا کہ کہا جاتا ہے 'اِتۡقَانُ الشَّیۡءِ' کہ کسی چیز کو اس کی اصل جگہ پر اُتارنا ،تو ایک طالب علم کو چاہیے، بلکہ اس پر یہ واجب ہے کہ وہ دعوت وارشاد کے میدان میں 'حکیم' ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دعوتِ دین کے مراتب ذکر فرما دیئے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَةِ وَ الۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَ

جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (النحل:۱۲۵)

''(اے نبیؐ) آپ (لوگوں کو) اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے اور ان سے ایسے طریقہ سے مباحثہ کیجئے جو بہترین ہو۔''

نیز اس دعوت کا چوتھا مرتبہ اللہ جل شانہ نے اہلِ کتاب (یہودی وعیسائی لوگوں) کے ساتھ مباحثے کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ (العنکبوت:۴۶)

''اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے جو بہتر ہو اور صرف انہیں سے جھگڑا کرو جو ان میں سے بے انصاف ہیں۔''

لہٰذا ایک طالب علم کو دعوت وتبلیغ کے میدان میں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جو لوگوں کے ہاں زیادہ قابلِ قبول ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے بارے میں درج ذیل مثالیں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں:

❁ ایک مرتبہ ایک بدو نے آکر مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنا شروع کر دیا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زدوکوب کرنے کے لیے اس کی طرف لپکے، مگر آپ ﷺ نے ان کو ایسا کرنے سے روک دیا، اور پھر جب وہ پوری طرح سے پیشاب کر کے فارغ ہو گیا، تو تب اللہ کے نبی ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: «إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذَرِ اِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ» أَوْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند احمد، ابن حبان، وَأَصْلُ الْحَدِيْثِ فِي الصَّحِيْحَيْنِ)

''یہ مسجدیں پیشاب، پاخانے وغیرہ کے لیے نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ عزوجل کے ذکر، نماز کی ادائیگی اور قرآن پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں۔ یا جیسے آپؐ نے اور الفاظ ارشاد فرمائے۔''

تو کیا آپ نے کبھی اس سے زیادہ اچھا اور مبنی بر حکمت اندازِ تبلیغ دیکھا سنا ہے؟ تو یہی اعرابی (بدو) جس کا اس حکیمانہ طرزِ عمل سے فوری شرح صدر ہوا (یعنی سینہ کھل گیا) اور اس حد تک مطمئن ہوا کہ (فرطِ جذبات میں) اس نے یہ الفاظ کہے: ''اللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا''

''الٰہی! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر۔''

❁ اس بارے میں دوسرا قصہ حضرت معاویہ بن الحکَمَ السُّلَمِیْ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک قوم کے لوگوں میں سے ایک آدمی نے چھینک لی، تو میں نے جواب میں کہا (یَرْحَمُكَ اللّٰهُ) کہ اللہ تجھ پر رحم کرے! تو لوگ مجھے اپنی تیکھی نظروں سے گھورنے لگے۔ میں نے (حالت نماز میں ہی) کہا: تمہاری مائیں تمہیں گم پائیں! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ مجھے اس انداز سے دیکھ رہے ہو؟ تو اس پر وہ (بغیر کوئی بات کیے) اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مانے لگے، تو جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے (اس طرح سے) خاموش کرا رہے ہیں، تو میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ، میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں! نماز سے فارغ ہوئے اور میں نے آپؐ کے بعد تعلیم دینے کے اعتبار سے آپؐ سے بڑھ کر کوئی اچھا معلّم نہیں دیکھا۔ اسی لئے اللہ کی قسم! نہ تو آپؐ نے مجھے ڈانٹا، مارا اور نہ برا بھلا کہا، بلکہ اس کے بجائے

یہ فرمایا:

«اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْئٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّما هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ»

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ)

''کہ بلا شک نماز میں لوگوں سے کسی قسم کی گفتگو کرنا درست نہیں، یہ نماز تو (اللہ جل شانہ کی) تسبیح بیان کرنے، تکبیریں کہنے اور قرآنِ حکیم پڑھنے کے لیے ہوتی ہے۔''

یہ اور اس طرح کی دیگر مثالوں سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے دین کی طرف دعوت، حکمت کو مدنظر رکھ کر دینا واجب ہے، جس طرح اللہ جل شانہ نے اس کا حکم دیا ہے۔

❁ اس ضمن میں ایک اور مثال اس آدمی کا قصہ ہے، جس کے ہاتھ پر اللہ کے نبی ﷺ نے ایک سونے کی انگوٹھی، دیکھی اور سونے کی انگوٹھی پہننا مردوں پر حرام ہے، تو نبی مکرم ﷺ نے بذاتِ خود وہ انگوٹھی اس کے ہاتھ سے اُتاری اور پھینک دی اور ساتھ ہی فرمایا: «يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ اِلَى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَضَعُهَا فِيْ يَدِهِ» (صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال)

''تم میں سے کوئی آتشِ جہنم کے انگارے کا ارادکرتا ہے، تو وہ اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔'' (یعنی آپؐ نے سونے کی انگوٹھی کو آگ کا انگارہ قرار دیا)

اور پھر جب نبی مکرمؐ وہاں سے تشریف لے گئے، تو اس آدمی سے کہا گیا کہ اب تم اپنی انگوٹھی اُٹھا لو اور اسے کسی اور فائدے کے لیے استعمال میں لے آؤ، تو اس آدمی نے جواب دیا، اللہ کی قسم! میں اُس انگوٹھی کو (کبھی) نہیں اُٹھاؤں گا، جسے

رسول اللہ ﷺ نے پھینکا ہے۔

تو یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لیے زیادہ سخت اور ساتھ ہی مبنی بر حکمت انداز اپنانے کی ضرورت تھی ، اس لیے کہ ہر بات کہنے کا کوئی مناسب موقع ہوتا ہے اور ہر موقعہ کے لیے مناسب گفتگو ہی بار آور ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر اس شخص کے لیے، جو اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہے، ضروری ہے کہ وہ ہر بات موقعہ کی مناسب سے کرے، ہر چیز کو اس کی اصل جگہ پر رکھے اور دعوت دیتے وقت سارے لوگوں کو برابر کی سطح پر رکھتے ہوئے سب کے لیے ایک ہی انداز اور اُسلوب اختیار نہ کرے اور تبلیغ و دعوت کے میدان میں اصل مقصود مشن کی کامیابی ہے۔

اور اگر ہم غور کریں، تو آج کے دور میں ہمیں بہت سے ایسے دعاۃ (دعوت و تبلیغ میں مصروف لوگ ) ملیں گے جن کے اندر دین کے معاملے میں اس حد تک غیرت اور سختی پائی جاتی ہے کہ لوگ ان کی دعوت سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور اگر ایسے لوگوں میں سے کسی کے سامنے کوئی شخص حرام کام کر بیٹھے، تو وہ اُس کی شامت لے آتے ہیں۔ پوری قوت سے اس کی تشہیر کرتے اور آوازے کستے ہوئے کہتے ہیں: ''تجھ کو اللہ کا خوف نہیں''، تجھے ایسا کرتے ہوئے اللہ سے ڈر نہیں آتا! یا اس طرح کے اور کلمات ادا کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان سے نفرت کرتے ہوئے بھاگ اُٹھتا ہے، اور یہ کوئی اچھا اندازِ تبلیغ نہیں بلکہ ایک طرح کی ضد بازی ہے۔

● اہل کلام کے بارے میں امام شافعیؒ کے نقل کردہ درج ذیل نقطہ نظر کہ

اُن کی کھجور کی لاٹھیوں اور جوتوں سے خوب پٹائی کی جائے اور ان کا لوگوں میں ڈھنڈورا پیٹا جائے اور ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ کہا جائے کہ جو کتاب وسنت کو ترک کرے اور ان کے سوا دوسرے کلام کی طرف لپکے تو اس کی یہی سزا ہے۔

اس بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یوں رقم طراز ہیں:

''اگر انسان ان لوگوں کی جانب نگاہ دوڑائے تو ایک اعتبار سے انہیں اسی سزا کا مستحق پائے گا جس کا ذکر امام شافعی رحمہ اللہ کے قول میں ہوا ہے، لیکن اگر کوئی ان لوگوں کو قدر (تدبیر ومصلحت) کی نظر سے دیکھے، کہ کس حد تک ان پر حیرانگی کا عالم طاری اور شیطان کا ان پر تسلط ہے، تو پھر ان کے لئے وہ اپنے اندر نرم گوشہ رکھے گا اور ان پر رحم کھائے گا اور ساتھ ہی اللہ جل شانہ کی حمد وستائش کرے گا کہ جس نے اس کو اس مصیبت سے عافیت دی ہے جس میں ان (اہلِ کلام) کو مبتلا کیا ہے کہ وہ تیز فہم وفراست تو عطا کیے گئے مگر اس کے باوجود نیکی اور تزکیہ سے یکسر محروم ہیں، یا پھر وہ ذہین ہیں مگر علم وآگہی سے خالی، یا پھر وہ سماعت کے لیے کان، بصارت کے لیے نگاہیں اور سمجھنے اور غور کرنے کے لیے دھڑکتے دلوں کے تو مالک ہیں، مگر ان سب کے ہوتے ہوئے بھی وہ حق کی بات سننے، دیکھنے اور سمجھنے سے عاری اور بے توفیق ہیں۔''

بعینہٖ اے میرے (طالب علم) بھائیو! ہمیں چاہیے کہ ہم بھی بھٹکے ہوئے اور گناہ گار لوگوں کو انہی دو طرح کی نگاہوں سے دیکھ کر ان کا بیک وقت اچھی طرح سے جائزہ لیں کہ وہ کس طرح کے سلوک کے مستحق ہیں کہ آیا انہیں شرعی نقطہ نظر سے دیکھا یا جانچا جائے یا پھر انہیں مصلحت وتدبیر والی نگاہ کے پیمانے پر رکھ کر ان کا جائزہ لیا جائے۔

◉ 'شرعی نگاہ' سے مراد ہے کہ ہمیں اُن کی اصلاح اور سزا دیتے وقت کسی بھی قسم کی رواداری اور مصلحت و لچک کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اللہ کے حکم کے نفاذ میں کسی کو خاطر میں لانا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زانی عورت اور مرد کی سزا کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ﴾ (النور:۲)

''زانی عورت ہو یا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو درے لگاؤ اور (اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو) اللہ کے دین کے معاملہ میں تمہیں ان دونوں (میں سے کسی) پر بھی ترس نہ آنا چاہیے۔''

◉ اور 'تدبیر و مصلحت کی نگاہ' سے مراد یہ ہے کہ ان (کی کمزوری اور شرعی عذر کو مدنظر رکھتے ہوئے ان) پر رحم کرنا چاہیے۔ ان کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرنا چاہیے اور ایسا سلوک روا رکھنا چاہیے کہ جس سے ہم زیادہ آسانی کے ساتھ اپنا اصل مقصد بھی پالیں اور ناپسندیدہ چیز کا سدِّ باب بھی کر سکیں۔ اور ایک غیور جاہل شخص، جو کہ علم سے تہی دامن ہے، اس کے بالکل برعکس ایک صحیح طالب علم کی یہی خوبی اور نشانی ہے۔

لہٰذا خاص طور پر وہ طالب علم جو کہ ایک داعی (اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والا) ہے، اس پر دورانِ دعوت 'حکمت عملی' کا استعمال واجب ہے۔

## ⑧ طالب علم، علم حاصل کرتے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کرے

مطلب یہ ہے کہ اس کارِ خیر پر ثابت قدم رہے اور درمیان میں اسے چھوڑ نہ دے اور نہ اکتاہٹ کا شکار ہو، بلکہ اپنی ہمت کی حد تک سیکھنے کا عمل جاری و ساری

رکھے، اس لیے کہ عام طور پر انسان جب کسی کام میں لگے ہوئے اکتا جاتا ہے، تو وہ پھر ساتھ ہی تھکاوٹ محسوس کرنے لگتا ہے اور نتیجہ کے طور پر وہ اس کام سے ہی جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص علم کے اس مبارک عمل پر ثابت قدمی اور ہمیشگی کا مظاہرہ کرتا ہے، تو وہ اگر ایک اعتبار سے صبر کرنے والوں کے اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے تو دوسری جانب وہ اس کے دنیوی و اُخروی ثمرات و نتائج بھی پالیتا ہے۔ اور اس بات کی دلیل میں اللہ عزوجل کا یہ فرمان ملاحظہ کیجیے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی رحمت سے یوں مخاطب ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (ہود:٤٩)

''(اے نبی!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے پہلے انہیں نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، لہٰذا آپ صبر کیجیے، کیونکہ انجام (بخیر) پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔''

## ⑨ طالبِ علم کے دل میں علمائے کرام کی قدر و اہمیت اور احترام ہو

طلبہ پر اہل علم کا احترام اور ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری امر ہے۔ خاص طور پر علمائے حق یا دیگر لوگوں کے مابین مسائل میں اختلاف کے وقت انہیں کشادہ دلی اور وُسعتِ ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ان کے خیال کے مطابق جو شخص غلطی پر ہے اس کا وہ کوئی معقول عذر سمجھتے ہوئے اس سے درگزر کریں (اور اس کی ذات کو ہرگز نشانہ نہ بنائیں) اور یہ انتہائی اہم نقطہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، کیونکہ بعض لوگ دوسروں کی غلطیوں کی جستجو میں محض اس لیے مصروف عمل ہوتے ہیں تا کہ انہیں بے نقاب کر کے اُن لوگوں کی ساکھ کو

نقصان اور عام لوگوں میں ان کی شہرت کو داغ دار کیا جائے اور ایسا کرنا بہت بڑی غلطی اور نا مناسب رویہ ہے۔اور اس کی قباحت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر عام لوگوں میں سے کسی شخص کی 'غیبت' کبیرہ گناہ ہے تو کسی عالم دین کی غیبت کرنا تو سب سے بڑا گناہ ہوگا،اس لیے کہ صاحبِ علم کی غیبت کے مضر اثرات صرف اس کی شخصیت تک محدود نہیں رہتے بلکہ اس پر اور اس سے شرعی علوم سیکھنے والے ہر شخص پر بھی اثر انداز ہوں گے۔اور لوگ جب کسی صاحب علم سے بے رغبتی برتنے لگیں اور اس کی شخصیت ان کی نگاہ میں گر جائے،تو ایسے شخص کی بات کی کوئی اہمیت بھی نہیں رہتی اور جب یہی عالم دین لوگوں سے کوئی حق بات کہے یا اس کی طرف ان کی راہنمائی کرے تو اس خطا کار آدمی کا اس عالمِ دین کی غیبت کرنا،لوگوں کے اور اس کے شرعی علوم کے درمیان ایک بڑی رکاوٹ بن جائے گا اور یہ عمل ایک معاشرے کے بگاڑ اور فساد کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔

٭ یہاں میں یہ کہوں گا کہ ان نوجوان طلبہ کو چاہیے کہ وہ اہل علم کے مابین علمی مسائل میں اُٹھنے والے اختلافات کو، ان کے نیک ارادے اور اجتہادی اختلافات سمجھتے ہوئے قابلِ عذر خیال کریں اور ان کی غلطیوں پر درگزر سے کام لیں،لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کے خیال کے مطابق جس مسئلہ میں اُن سے غلطی سرزد ہوئی ہے اس بارے میں ان سے گفتگو ضرور کریں (تا کہ دونوں طرف ہر اعتبار سے حق بات واضح ہو جائے) کہ آیا واقعی خطا، اہلِ علم کی طرف سے ہے یا کہ دوسری جانب سے جو کہ غلطی کی نشاندہی کر رہے ہیں۔اور یہ اس لیے ہے کہ بسا اوقات انسان کسی صاحبِ علم کی بات کو غلط تصور کر لیتا ہے،پھر بعد میں علمی گفتگو

کے نتیجے میں وہ عالمِ دین اپنی بات میں درست ثابت ہوتا ہے، اور چونکہ انسان بشر ہے اوراس بارے میں یہ حدیث بھی بہت واضح ہے۔

«كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّآء وَخَيْرُ الْخَطَّاءِ يْنَ التَّوَّابُوْنَ»

(مسند احمد:۱۹۸/۳/ الترمذی ۵۶۹/۴،حدیث ۲۴۹۹/سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد باب ذکر التوبۃ/سنن الدارمی کتاب الرقاق، اور امام بغویؒ نے 'شرح السنۃ' میں ۹۲/۵/ ابونعیمؒ نے 'الحلیۃ' میں ۳۳۲/۶، امام حاکمؒ نے 'المستدرک' میں ۲۷۳/۴ اور کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے تو صحیح ہے مگر 'صحیحین' نے اسے نہیں نکالا۔ اور عجلونیؒ کہتے ہیں کہ اس کی سند قوی (یعنی مضبوط) ہے۔ ۱۲۲۰/۲)

''کہ پوری اولادِ آدمؑ خطا کار ہے اور سب سے بہتر خطا کار وہ ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے والے ہیں۔''

اور اگر کوئی شخص عالم دین کے، حق بات سے پھسلنے یا غلطی کھا جانے پر محض اس لیے بغلیں بجاتا اور خوش ہوتا ہے کہ وہ اسے عام لوگوں میں فرقہ واریت اور گروہ بندی کے لیے افشاں کرے گا ،تو یہ عمل سلف صالحین رحمہم اللہ کے طریقے سے بالکل جدا (اور اللہ کی زمین پر فتنہ وفساد کا موجب) ہے۔

✷ اور اسی طرح ریاست کے امراء و حکام سے بھی اگر کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم ہر چیز میں اور ہر بات پر اُن سے سرزد ہونے والی غلطی کو ذریعہ بناتے ہوئے ان کو سرزنش کرنا اورطعن وتشنیع کا نشانہ بنانا شروع کر دیں اور اُن کی خوبیوں اور اچھائیوں سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا

یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ (المائدۃ:۸)

''اے اہلِ ایمان! اللہ کی خاطر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتعل نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ (ہی) دو۔''

آیتِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی قوم کی تمہارے ساتھ دشمنی تمہیں عدل نہ کرنے پر آمادہ نہ کرے، کیونکہ عدل ہر حالت میں واجب ہے اور کسی بھی انسان کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ امراء و حکام، علمائے کرام یا ان کے علاوہ کسی اور شخص کے نقائص اور عیوب تو محض اس لیے تلاش کرنا شروع کر دے کہ وہ انہیں لوگوں میں پھیلا کر ان کی عزت و ناموس کو پامال کرے، مگر وہ انہی لوگوں کی بھلائیوں اور خوبیوں پر خاموش رہے۔ تو یہ عمل سراسر عدل کے خلاف ہے۔

اور اسی چیز کو ذرا اپنی ذات پر قیاس کرتے ہوئے اندازہ کیجیے کہ اگر کوئی شخص تم پر نگران مقرر کر دیا جائے جو تمہاری کوتاہیوں اور غلطیوں کا تو خوب پرچار کرے اور تمہاری خوبیوں اور کارناموں کو چھپائے رکھے، تو کیا آپ اس کے اس رویے کو اپنی ذات پر ایک بہت بڑی زیادتی اور بے انصافی نہیں سمجھیں گے؟ تو اگر آپ اس عمل کو اپنی ذات کے حق میں ایک بڑی زیادتی سمجھتے ہیں، تو پھر آپ پر یہ بات واجب ہو جاتی ہے کہ اسی عمل کو اپنے علاوہ دوسرے کے حق میں بھی بے انصافی اور زیادتی سمجھیں ......اور جیسا کہ پہلے بھی میں اس بات کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ اس مرض کا علاج، جسے آپ اپنے تئیں ایک غلط مسئلہ یا فتویٰ خیال کرتے ہیں، صرف یہی ہے کہ آپ جس شخص سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے، براہِ راست رابطہ کریں اور اس سے اس بارے میں علمی دلائل کے ساتھ گفتگو کریں،

اس علمی گفتگو کے نتیجے میں حق بات واضح ہو جائے گی۔ اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو علمی بحث و مباحثے کے بعد اپنے مؤقف سے حق بات کی طرف پلٹتے دکھائی دیتے ہیں اور کتنی تعداد میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ جن کی بات کو ہم بغیر تحقیق کے غلط سمجھتے ہیں مگر علمی مناقشے (گفتگو) کے بعد ان کی بات درست ثابت ہوتی ہے۔ تو ایک صحیح حدیث کے مطابق «الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا» (صحیح بخاری، کتاب المساجد، صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ)

''کہ مومن تو (دوسرے) مومن کے لیے ایک دیوار کی مانند ہے جس کا کچھ حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔''

اور اسی طرح نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِيْ يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ»

(اس حدیث کی تخریج ماقبل میں ص ۵۳ پر گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ)

''جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ آتشِ جہنم سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل ہو، تو اس کا خاتمہ اس حال میں ہونا چاہیے کہ وہ ایک اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ ایسا رویہ رکھتا ہو جیسا رویہ وہ اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔''

اور یہی صریح عدل اور استقامت کا عمل ہے۔

## ⑩ کتاب وسنت کے ساتھ مضبوط تعلق

تشنگانِ علم دین پر یہ بات لازم ہے کہ ایک تو وہ دینی علوم کو حاصل کرنے کی پوری حرص رکھتے ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ اس علم کو صرف اس کے اصل منبع اور

سماوی چشمۂ صافی (وحی الٰہی) ہی سے اخذ کرنے کا عزم بالجزم رکھتے ہوں کہ جس سے ابتدا کیے بغیر کسی بھی طالب علم کے لیے اپنے مشن میں فلاح وصلاح ناممکن ہے اور وہ 'سماوی چشمہ صافی' درج ذیل ہیں:

① قرآنِ حکیم:

ایک طالب علم پر واجب ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کو پڑھنے، اس کو یاد کرنے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا پورا پورا اہتمام کرے، اس لیے کہ قرآنِ حکیم اللہ جل شانہ کی مضبوط رسی اور جملہ علوم کی بنیاد ہے۔ اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ اس چیز کی حد درجہ تک حرص رکھتے تھے۔ اور ان کے قرآنِ حکیم سے والہانہ لگاؤ کی بناء پر ان کے کئی عجیب واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ان میں سے کسی ایک نے تو صرف سات سال کی عمر میں پورا قرآنِ مجید حفظ کر لیا اور بعض نے پورا قرآن حکیم ایک مہینے سے بھی کم مدت میں زبانی یاد کیا، بہر حال ایسے واقعات ان کی قرآنِ حکیم کے ساتھ انتہائی عقیدت اور اس میں ان کی انتہا درجے کی حرص کی نشاندہی کرتے ہیں رضی اللہ عنہم ۔ لہٰذا طالب علم پر یہ لازم ہے کہ وہ قرآن حکیم کے کسی ماہر استاذ کی راہنمائی میں اسے پڑھے اور یاد کرے، اس لیے کہ قرآنِ حکیم میں مہارت کسی دوسرے شخص کے ذریعے سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اور یہ بات انتہائی قابلِ افسوس ہے کہ آپ کو بعض ایسے طالب علم بھی مل جائیں گے، جو قرآنِ حکیم کو یاد نہیں کرتے (اور نہ اس طرف کوئی خاص توجہ دیتے ہیں) بلکہ ان میں سے کچھ تو حسن قراءت سے ہی نابلد ہوتے ہیں اور یہ طلبِ علم کی راہ میں بہت بڑی کمی ہے، لہٰذا میں یہاں اس بات کا اعادہ کرنا چاہوں گا کہ

تشنگانِ علم دین پر، قرآن حکیم کو زبانی یاد کرنے، اس پر عمل پیرا ہونے، اس کی طرف دعوت دینے، اور اس کو سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ! کے فہم کے مطابق سمجھنے اور سمجھانے کی حرص اور اہتمام ہر دم واجب اور لازم ہے۔

## ② صحیح سنت طاہرہ:

اور یہ شریعت طاہرہ کا دوسرا بڑا مصدر اور قرآنِ حکیم کی تشریح وتوضیح ہے، لہٰذا طالب علم پر ان دونوں (قرآن وسنت) کو ایک ساتھ اکٹھا رکھنا اور ان کو سیکھنے میں رغبت رکھنا واجب ہے، اسے چاہیے کہ وہ قرآنِ حکیم کے ساتھ ساتھ سنت طاہرہ کو بھی یاد کرے، چاہے تو احادیثِ مبارکہ کی نصوص (اصل عبارت) کو حفظ کر کے یا پھر ان کی سندوں اور متنوں (دونوں) میں رُسوخ اور مہارت پیدا کرتے ہوئے ان میں سے صحیح کو ضعیف سے الگ کرے......اسی طرح سنت طاہرہ کی حفاظت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ سنت رسولؐ کے بارے میں اہلِ بدعت (خاص طور پر منکرین سنت اور ان) کے شبہات کا علمی رد کرے (اور سنت کی شرعی حیثیت کا اثبات کرے)۔

✵ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ طالب علم پر قرآن حکیم اور صحیح سنت طاہرہ کا التزام و اہتمام ہر دم لازم وواجب ہے اور یہ دونوں شرعی مصادر اس کے لیے ایسے ہیں جیسے پرندے کے لیے اس کے دو پر، ان میں سے اگر ایک پر بھی ٹوٹ جائے تو پرندہ کبھی اڑ نہ سکے گا......لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ سنت طاہرہ پر توجہ مرکوز ہو، اور قرآن حکیم سے غفلت برتی جارہی ہو یا پھر قرآنِ حکیم کی حفاظت کا پورا اہتمام ہو مگر سنت طاہرہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہو، کیونکہ یہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ بہت سے دینی

طلبہ،سنت طاہرہ،اس کی شروحات،اس کے رجال (رُواۃ) اور اس کی مصطلحات کا تو پورا اہتمام کرتے ہیں، لیکن اگر آپ کبھی ان سے اللہ کی کتاب (قرآن حکیم) کی کسی آیتِ کریمہ کے بارے میں پوچھیں گے، تو انہیں اس بارے میں جاہل پائیں گے اور یہ بڑی فاش غلطی ہے۔

تو اے علم کے طالب! کتاب وسنت تیرے لیے دو بازوؤں کی طرح از بس ضروری ہیں (جس طرح پرندے کے لیے دو پر ضروری ہیں) اور علم میں رُسوخ کے لیے یہاں ایک تیسری چیز بھی نہایت ضروری ہے اور وہ ہے علمائے حق کا کلام، لہٰذا تحصیلِ علم میں، اہلِ علم کے کلام کو نہ کم تر سمجھنا اور نہ کبھی اس سے پہلو تہی برتنا، اس لیے کہ علمائے کرام علمی گہرائی میں تجھ سے کہیں بڑھ کر حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے پاس شریعت طاہرہ کے وہ قواعد اور اسرار وضوابط ہیں، جن سے آپ بہرحال نابلد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی محقق اور جلیل القدر علماء کرام کے نزدیک کسی شرعی مسئلہ میں کوئی 'قول' راجح قرار پاتا، تو اس کو ترجیح دیتے وقت یہ کہتے کہ اگر علمائے حق میں سے کسی نے اسے راجح قرار دیا ہے تو ٹھیک، وگرنہ ہم بھی نہیں کہیں گے (اور توقف اختیار کرتے۔)

٭ مثال کے طور پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کو لیجئے، جن کی علمی وسعت وعلمی رسوخ مسلّم ہے۔ وہ جب بھی کسی (شرعی مسئلہ کی بابت) کوئی بات کہتے اور ائمہ ھدی میں سے اس کے قائل کے بارے میں کسی کو نہ جان پاتے ،تو پھر اپنے قول کے بارے میں ان کا یہ مؤقف ہوتا کہ 'میں یہ بات کہوں گا اگر اہلِ علم کے ہاں یہ کہی گئی ہے (وگرنہ اس بارے میں توقف اختیار کرتے) اور اپنی

رائے کو چھوڑ دیتے، لہٰذا ایک طالب علم پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کے ساتھ ساتھ اہلِ علم کے کلام سے بھی استفادہ و استعانت لازمی ہے۔ 'کتاب اللہ' کی طرف (اصل) رجوع، اس کو حفظ کر کے، اس میں غور وخوض کر کے، اور جو احکام اس میں ذکر ہوئے ہیں، ان پر عمل کر کے ہوگا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (ص:۲۹)

''جو کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، بڑی برکت والی ہے، تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور اہل عقل و دانش اس سے سبق حاصل کریں۔''

مذکورہ آیتِ کریمہ کے الفاظ (لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ) کا معنی آیات میں ایسا غور وفکر ہے، جو ان کے صحیح مفہوم تک پہنچا دے۔ اور ان الفاظ (وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ) میں 'تَذَكُّر' سے مراد اس قرآن پر عمل کرنا ہے۔

قرآنِ حکیم کے نزول کی یہی حکمت ہے، اور اگر قرآنِ حکیم اسی حکمت کی بناء پر نازل ہوا ہے، تو ہمیں فی الفور اس کی طرف رجوع کرنا ہوگا تاکہ ہم اس میں غور وفکر کریں، اس کے حقیقی معانی و مفاہیم کو جانیں۔ پھر جو کچھ قرآن منجانب اللہ لے کر اُترا ہے، اس پر عمل کریں...... اللہ عزوجل کی قسم! اسی میں دنیا و آخرت کی سعادتیں کارفرما ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾

''تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف اُٹھائے گا اور جو شخص میری یاد سے منہ موڑ لے گا، تو اُس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے روز ہم اُسے اندھا کر کے اُٹھائے گے۔'' (طٰہٰ:۱۲۳،۱۲۴)

اور یہی وجہ ہے کہ آپ (اللہ کی اس دھرتی پر) حالات میں زیادہ پر سکون، دل میں اطمینان اور شرح صدر (وسعت قلب ونظر) کے اعتبار سے ایک مؤمن سے بڑھ کر کسی بھی شخص کو نہیں پائیں گے، اور صاحب ایمان ہی ایک ایسا شخص ہے جو (اس مادی دنیا میں) تمام لوگوں سے بڑھ کر مطمئن، کشادہ دل اور وسعت ظرفی رکھتا ہے۔ اور اس بات کی تصدیق کے لیے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد گرامی پڑھ لینا کافی ہوگا۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل:۹۷)

''جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) اُن کے بہترین اعمال کے مطابق انہیں، اُن کا اجر عطا کریں گے۔''

**سوال:** آیتِ کریمہ میں 'حیاتِ طیبہ' (یعنی پاکیزہ زندگی) سے کیا مراد ہے؟

**جواب:** حیاتِ طیبہ (یعنی پاکیزہ زندگی) انشراح صدر (سینے کی کشادگی) اور دل کا اطمینان ہے، خواہ انسان انتہائی افلاس اور سخت تنگی کے حالات سے دوچار ہو، مگر اس کے باوجود وہ دلی طور پر مطمئن اور خوش رہتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ

أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ)) (صحیح مسلم، کتاب الزہد)

''مومن کا معاملہ عجیب ہے، بلا شک اس کا سارا معاملہ اس کے لیے بھلائی و بہتری کا باعث ہے اور یہ شرف (وبزرگی) سوائے مومن کے کسی کو حاصل نہیں۔ اگر تو اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو وہ صبر کرتا ہے۔ تو یہ اس کے لیے خیر و برکت ہے، اور اگر اسے کوئی راحت (وآسودگی) ملتی ہے، تو (اللہ کا) شکر گزار ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اس کے لیے بہتری و بھلائی ہے۔''

اور جہاں تک کافر کا معاملہ ہے، تو جب کبھی اُسے تکلیف آتی ہے تو کیا وہ صبر کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب ظاہر ہے کہ 'نہیں' میں ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ تو غم و غصے کا اظہار کرتا ہے، یہاں تک کہ دنیا میں اس کے لیے رہنا مشکل تر ہوتا چلا جاتا ہے اور بسا اوقات وہ خودکشی کرتے ہوئے اپنی زندگی کا خود خاتمہ کر لیتا ہے، لیکن مومن صبر کرتا ہے اور صبر کی لذت سے آشنا ہوتے ہوئے شرح صدر اور اطمینانِ قلب سے لبریز پاکیزہ زندگی گزارتا ہے اور اسی بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ کہ ''ہم ضرور ضرور اس (کے قلب و روح) کو اطمینان وخوشی سے لبریز کر دیں گے۔''

بعض مؤرخین، جنہوں نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی سوانح حیات کے بارے میں یہ لکھا ہے، کہ آپ رحمہ اللہ اپنے دور میں مصر کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے اور آپؒ جب اپنے محکمہ (یا کمرۂ عدالت) میں تشریف لاتے، تو سواروں کی ایک جماعت کے جلو میں بگھی پر سوار ہو کر آیا کرتے، جسے گھوڑے یا خچر کھینچ رہے ہوتے تھے۔ تو آپؒ ایک دن معمول کے مطابق آتے ہوئے مصر کے ایک یہودی تیلی (جو کہ زیتون کا تیل بیچا کرتا تھا) کے پاس سے گزرے اور عام طور پر تیلیوں

کے کپڑے میلے کچیلے (اور خود پراگندہ حال) ہوتے ہیں۔ تو وہ یہودی (تیلی) اچانک بگھی کے سامنے آیا اور اسے روک کر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے یوں گویا ہوا:

''تمہارا نبیؐ یہ کہتا ہے «الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ»

(صحیح مسلم/ جامع ترمذی/سنن ابن ماجہ/مسند احمد: ۳۲۳/۲)

''کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔'' اور آپ (مومن ہوتے ہوئے) مصر کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) پھر ایسی شاہی بگھی پر سوار اور پھر اس طرح اور بہت سی نعمتوں کے حق دار اور میں (آپ کے بقول ایک یہودی کافر ہوتے ہوئے) اس عذاب اور بدبختی میں زندگی گزار رہا ہوں! اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ! نے فرمایا 'میں اس وقت جن دنیوی نعمتوں اور آسائشوں میں زندگی گزارتا ہوں، یہ جملہ نعمتیں اور آسائشیں جنت کی ان نعمتوں کے سامنے 'سجن' یعنی دشوار گزار زندگی کی حیثیت رکھتی ہیں اور جس بدبختی اور شقاوت میں تو گھرا ہوا ہے، وہ ساری بدبختیاں اور مصائب مل کر بھی عذابِ جہنم کے مقابلے میں ایک جنت کی سی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس یہودی نے جب یہ جواب سنا تو پکار اُٹھا «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ» تو ایک مومن، خواہ وہ جونسی حالت میں ہو، وہ خیر و برکت اور سراسر بھلائی میں ہوگا اور پھر یہ خیر و برکت دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی ہے، نہ کہ صرف دنیا کی۔ جب کہ ایک کافر کے لیے سراسر شر اور ناکامی و نامرادی ہے اور پھر یہ شر اور ناکامی دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی ہے نہ کہ صرف آخرت کی۔

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۞ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۞ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ (سورۃ العصر)

''زمانے کی قسم! بلاشبہ انسان (مسلسل) خسارے میں ہے، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق بات کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

اور کفار اور اللہ کے دین سے تہی دامن لوگ جو محض اپنی خواہشات کے پجاری اور دنیوی خوشحالی و آسائش کے رسیا ہیں، وہ خواہ عیش و عشرت سے بھرپور عالی شان محلات بنا لیں اور لذتوں سے معمور اور دلکش زندگی گزارنے لگیں، تو حقیقت میں ایسے لوگوں کی زندگی جہنم کی زندگی ہے، یہاں تک کہ بعض سلف رحمہم اللہ کا کہنا ہے۔ ''اگر بادشاہ اور شہزادے اس حقیقت کو پالیں جس میں ہم زندگی بسر کرتے ہیں تو وہ (اس حقیقی لذت کے حصول کے لیے) تلواریں سونت کر ہم پر چڑھ دوڑیں۔''

اور اہل ایمان تو اللہ جل شانہ کے ساتھ 'مناجات' اور اس کے 'ذکر' کی نعمتوں سے سرفراز کیے گئے ہیں۔ وہ اللہ جل جلالہ کے فیصلے اور اس کی تقدیر پر صابر و شاکر رہتے ہیں۔ کسی تکلیف اور کرب پر صبر اور کسی نعمت اور آسودگی پر شکر ان کی زندگی کا معمول اور بڑا وصف ہے اور وہ اس حالت میں ایمان کی حقیقی حلاوت سے بہرہ ور ہیں، جب کہ ان کے برعکس دنیا دار اور دنیا پرست لوگوں کا وصف اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

﴿فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ﴾

''اگر انہیں کچھ (دنیوی مال و متاع) مل جائے، تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے، تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔'' (التوبہ:58)

اور جہاں تک سنت نبویہ مطہرہ کی طرف رجوع کا تعلق ہے، تو رسول اللہ ﷺ کی سنّتِ طاہرہ ہمارے سامنے ثابت شدہ اور محفوظ ہے۔ (وَلِلّٰہِ الحَمدُ)

یہاں تک کہ وہ حصہ جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر افتراء کی صورت میں ہے، علمائے حق نے خوب چھان بین کر کے کھرے اور کھوٹے اور سچ اور جھوٹ کو الگ تھلک کر دیا ہے اور محدثین اہلِ علم رحمہم اللہ! کی انہی ان تھک محنت و کاوش کی بدولت سنت طاہرہ کا بڑا ذخیرہ بالکل محفوظ اور کھلی کتاب کی طرح ظاہر اور واضح ہے اور کوئی بھی شخص ضرورت پڑنے پر کسی بھی موضوع پر حدیثِ رسول ﷺ تک بآسانی رسائی حاصل کر لیتا ہے، خواہ کتب حدیث کی طرف رجوع کر کے (اگر اس کے بس میں ہے) اور یا پھر اہلِ علم سے پوچھ کر۔

لیکن اگر کوئی کہنے والا شخص یہ کہے کہ حضرت آپ کے پاس اس مشکل کا کیا حل ہے، کہ بقول آپ کے کسی بھی دینی غرض یا طلب علم کے لیے 'کتاب اللہ' اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے، جبکہ ہم یہاں ایسے لوگ بھی دیکھتے ہیں، جو مختلف فقہی مذاہب میں لکھی جانے والی کتابوں کا پیچھا کرتے ہیں، اور اس بات کی رٹ لگائے رکھتے ہیں کہ میرا یہ مذہب ہے، میں تو فلاں کے مذہب پر ہوں اور میں فلاں مذہب کا پیرو ہوں اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اگر آپ کسی آدمی کو یہ کہتے ہوئے فتویٰ دیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کا اس بارے میں یہ فرمان ہے، تو وہ آگے سے یہ کہتا ہے ''کہ میرا تو مذہب حنفی ہے یا میں مالکی مذہب رکھتا ہوں، یا میرا مذہب امام شافعیؒ کا ہے یا میرا مذہب حنبلی ہے۔ یا اس طرح کے دیگر الفاظ کہے جاتے ہیں۔''

## جواب

تو اس کے جواب میں ہم انہیں یہ بات کہیں گے کہ دیکھئے! ہم سب ان الفاظ میں یہ وہ گواہی دیتے ہیں :«أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ »تو کیا آپ جانتے ہیں کہ (شَهَادَةُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کا کیا مطلب ہے؟

علمائے کرامؒ کہتے ہیں کہ

''اس شہادت کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس بات کا حکم دیا ہے اس کی پیروی کی جائے اور جس چیز یا بات کی خبر دی ہے اس کو سچ مانا جائے اور جس کام سے روکا ہے یا خبردار کیا ہے اس سے بچا جائے، اور اللہ جل مجدہ کی عبادت صرف اور صرف اس طریقے پر کی جائے، جو طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔تو جب کوئی شخص یہ کہے کہ میں فلاں کے مذہب پر ہوں یا میں فلاں کے مذہب کا پیرو ہوں یا میرا مذہب فلاں کا مذہب ہے، تو ہم اُسے یہ کہیں گے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک آپ کے سامنے ہے، لہٰذا کسی بھی امتی کے قول (بات) کی بناء پر آپ ﷺ کی مخالفت کرنے سے بچ!''

یہاں تک ائمہ مذاہب رحمہم اللہ! نے بھی اپنی (شخصی اور) تقلید محض (یعنی جامد اور اندھی تقلید) سے روکا ہے اور وہ سب برملا طور پر یہ کہتے ہیں ''مَتٰی تَبَیَّنَ الْحَقُّ فَاِنَّ الْوَاجِبَ الرُّجُوْعِ اِلَیْه'' کہ جب حق بات واضح ہو جائے، تو اس کی طرف رجوع واجب ہے۔''

تو ہم بھی ایسے شخص کو جو اپنی ایسی ہی رٹ لگا کر ہماری مخالفت پر اُتر آئے کہ میرا مذہب تو فلاں امام کا مذہب ہے یا میں فلاں مذہب کا پیرو ہوں، یہ کہیں گے

کہ ہم اور آپ سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، لہٰذا یہ گواہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم اب صرف اور صرف اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کریں اور اس کے لیے سنّتِ طاہرہ بالکل واضح اور روشن ہمارے سامنے موجود ہے۔

لیکن یہ بات کہنے سے میری مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم فقہاء اور علماء کی کتابوں کی طرف توجہ دینا یا ان کی اہمیت کم کر دیں، بلکہ علمی فائدے اور ان جملہ اسالیب وطرق کی معرفت کی خاطر کہ جن کے ذریعے دلائل ونصوص سے احکام کا استنباط کیا جاتا ہے، کی طرف رجوع کرنا اتنا ضروری ہے کہ ان کی طرف رُخ کیے بغیر شرعی علوم کا حصول تشنہ رہ جاتا ہے......اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں دینی مسائل میں ان لوگوں کے ہاں بہت سی غلطیاں اور کوتاہیاں دیکھنے کو ملتی ہیں، جو باقاعدہ علمائے کرام کی زیرنگرانی دین میں تفقُّہ (یعنی سوجھ بوجھ) حاصل نہیں کر پاتے، اس لیے کہ وہ فقہی مسائل میں سطحی نظر رکھنے کی وجہ سے اس حد تک گہرائی میں نہیں جا سکتے جتنا کہ انہیں جانا چاہیے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص 'صحیح بخاری' کی کتاب کو پکڑ کر اس کو پڑھنا شروع کر دے اور جو حدیث بھی کسی مسئلہ میں پائے، اس پر جوں کا توں عمل کرنا شروع کر دے، باوجودیکہ ان احادیث میں وہ بھی ہیں جو کسی مسئلہ میں عام (کا حکم رکھتی) ہیں جبکہ دوسری ان کی مخصّص، اسی طرح ان میں مطلق بھی ہیں اور مقید بھی اور کچھ ایسی بھی ہیں جن کا حکم منسوخ ہے۔ جن کو یہ سطحی نگاہ رکھنے والے لوگ سمجھ نہیں پاتے اور یہی چیز بڑی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

**(والعیاذ باللہ)**

## ⑪ خوب چھان بین اور ثابت قدمی کا مظاہرہ

اور اہم ترین آداب جن سے مرصع اور مزین ہونا ایک طالب علم کے لئے واجب ہے، وہ ان اخبار و روایات کی تحقیق اور چھان بین کرنا ہے، جو وہ تحصیل علم کے دوران نقل کرتا ہے، اور ان احکامات پر ثابت قدمی اختیار کرنا ہے جو اس کی طرف صادر ہوتے ہیں۔ تو اے علم کے طالب! جب بھی تو کسی کے حوالے سے کوئی خبر یا روایت نقل کرے یا کسی اور کے سامنے اسے بیان کرنا چاہے تو تیرے لیے یہ بہت ضوری ہے کہ اس کی حقیقت کے بارے میں پوری تحقیق کر لے کہ آیا جس شخص سے تو یہ بات نقل کر رہا ہے یہ صحیح بھی ہے کہ نہیں۔

پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خبر سچ ثابت ہو جائے اور تو اس کے مطابق اس پر حکم لگا دے، مگر وہ حکم جسے تو نے سنا ہے وہ ایسی 'اصل' پر مبنی ہو جسے نہ تو جانتا ہو اور نہ ہی وہ 'اصل' تیری نظروں سے قبل ازیں گزری ہو، نتیجتاً تو اس کو خطاء قرار دے گا، اور ہوسکتا ہے کہ وہ حقیقت میں خطا نہ ہو۔

**مگر ایسے حالات میں اس مرض کا کیا علاج ہے؟**

کہ ہر ممکن حد تک آپ اس شخص سے رابطہ کریں جس کی طرف وہ خبر منسوب کی گئی ہے۔ پھر آپ اس سے پوچھیں کہ آپ کے حوالے سے یہ بات نقل کی گئی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ آپ اس بارے میں اس سے علمی مناقشہ (گفتگو) بھی کریں، ہو سکتا ہے کہ آپ کا کبیدہ خاطر ہونا محض اس وجہ سے ہو کہ آپ پہلی مرتبہ اس سے بحث مباحثہ کر رہے ہوں اور اس کی ذات کے حوالے سے منقول خبر کے اصل سبب کو بھی نہ جانتے ہوں۔

اور جیسا کہ یہ کہا جاتا ہے "اِذَا عُلِمَ السَّبَبُ بَطَلَ الْعَجَبُ" کہ اصل سبب معلوم ہو جانے پر تعجب (اور حیرانگی) ختم ہو جاتا ہے۔لہٰذا کسی بھی خبر اور روایت کے بارے میں سب سے پہلے اس کی اچھی طرح سے چھان بین، تحقیق اور حتمی حکم (فیصلہ) بہت ضروری ہے۔ بعد ازاں جس شخص سے وہ خبر منقول ہے اس سے رابطہ کیا جائے اور اس بارے اس سے پوچھا جائے۔پھر ضرورت کی حد تک اس سے بحث مباحثہ بھی کیا جائے، پھر دیکھا جائے کہ آیا وہ صاحب حق پر اور درست ہیں تو آپ ان کی بات کو مان لیں اور اگر آپ کی بات صحیح ثابت ہو، تو وہ صاحب آپ کا مؤقف تسلیم کر لیں۔اور یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ لفظ 'الثبات' اور 'التّثبّتُ' دونوں لفظی اعتبار سے تو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں مگر معنی و مفہوم میں مختلف ہیں۔

## ثبات کا معنی

اس کا مطلب صبر و استقامت اور کسی کام پر مداومت اور ہمیشگی اختیار کرنا ہے۔ایک دینی طالب علم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تحصیل علم میں اکتاہٹ اور بے چینی کا شکار نہ ہو اور نہ ہی وہ ہر کتاب یا ہر فن کو شروع کرے، اس سے کچھ حصہ پڑھے یا سیکھے اور پھر اسے تشنہ چھوڑ دے، کیونکہ یہ اندازِ تعلم طالب علم کے لیے سرا سر نقصان دہ بے فائدہ اور وقت کا ضیاع ہے۔

مثال کے طور پر بعض طلبہ 'نحو' میں کبھی 'الاجرُومیّة'، کبھی 'قَطْرُ النَّدی' کا متن اور کبھی 'الألفیَّه' بدل بدل کر پڑھتے ہیں۔اسی طرح 'المُصْطَلَح' کے فن میں کبھی تو وہ 'النُّخْبة' کو پکڑ لیتے ہیں اور کبھی 'الفِیَّةُ العرَاقی' اور یہی حال ان کا

علمِ فقہ میں ہے۔

کبھی وہ 'زَادُ الْمُسْتَنْقِع' کبھی 'عُمْدَۃَ الْفِقْہ' کبھی 'الْمُغْنِی اور کبھی شَرْحُ الْمُھَذَّب جیسی کتابوں کو باری باری پڑھ کر اُن سے ذہنی تسکین حاصل کرتے نظر آتے ہیں اور یہی طریقہ وہ دیگر فنی کتابوں میں بھی استعمال کرتے ہیں، جبکہ یہ انداز، علم کے حصول کا ذریعہ نہیں، اور اگر کچھ علم حاصل بھی ہو تو وہ صرف مسائل سے آگاہی کی حد تک نہ کہ اصولوں کی بنیاد پر، اور محض مسائل و معلومات کا حاصل کرنا اس شخص کی طرح ہے جو گری ہوئی ٹڈیوں میں ایک کے بعد دوسری کو (ادھر ادھر سے) جمع کرتا ہے، لیکن دینی علوم کا، اصول کی بنیاد پر حصول، ان میں پختگی ہمیشگی اور صبر و ثبات اہم ترین امور ہیں، لہٰذا اے علم کے طالب! ان جملہ کتابوں پر ثابت قدمی اختیار کر، جنہیں تو پڑھتا اور جن سے سیکھتا ہے۔ اسی طرح اپنے اُن اساتذہ کرام کی مستقل صحبت اختیار کر، جن سے تو علمی استفادہ کرتا ہے۔ اور ایسا ہرگز نہ بن کہ صرف ذہنی لذت کے لیے اگر ہر ہفتے میں ایک بار کسی شیخ (استاذ) کے پاس جا رہا ہے، تو ہر مہینے میں ایک بار کسی دوسرے استاذ سے بھی کچھ سیکھ اور پوچھ رہا ہے۔ پہلے پورے غور وفکر سے ایک فیصلہ کر لے کہ کس استاذ کے سامنے (علمی استفادہ کے لیے) زانوئے تلمذ تہہ کرنا ہے، پھر جب ایک فیصلہ کر لے، تو پھر مستقل مزاجی سے انہی صاحب کی رفاقت اختیار کر، اور ہر مہینے اور ہر ہفتہ کے لیے الگ الگ شیخ (استاذ) مقرر نہ کر......اور کسی ایک مستقل فن کے لیے ایک ہی متعلقہ استاذ (جو کہ اپنے فن میں ماہر ہو) سے علمی استفادے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً اگر علمِ فقہ یا اصولِ فقہ میں ایک ہی متعلقہ استاذ سے آخر تک پڑھنا

چاہیں اور اسی طرح علم نحو، اور عقیدۂ توحید میں الگ الگ ماہر اساتذہ کرام سے متعلقہ فنون پڑھنا اور سیکھنا چاہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ان سے آخر تک پڑھتے رہیے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس دوران صرف علمی استفادہ کیجیے، نہ کہ طرح طرح کے اساتذہ سے علمی ذائقہ چکھنے کی خاطر ان سے میل ملاقات رکھیں اور محض اس شخص کی طرح ہو کر رہ جائیں جو ایک عورت سے شادی رچاتا ہے، چند دن اس کے پاس گزارتا ہے، پھر اسے طلاق دے کر کسی اور عورت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے......اور یہ بات جان لیجیے!

طلب علم میں 'ثبات' کی طرح 'تَثَبُّت' (جانچ پرکھ اور تحقیق) بھی بہت اہم چیز ہے، اس لیے کہ بسا اوقات اخبار نقل کرنے والوں کے ارادے برے ہوتے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر ایسی چیزیں نقل کرتے ہیں جن سے ان کا مقصد صاحبِ خبر شخص کی شہرت اور عزت کو داغدار کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات ان کی نیتیں تو بری نہیں ہوتیں مگر وہ نقل کردہ چیز کو اس کے اصل معنی کے برعکس سمجھ لیتے ہیں۔ اور اسی بناء پر ہی 'تَثَبّت' یعنی تحقیق و تدقیق لازمی امر ہے۔ اور جب نقل کردہ خبر 'سَنَد' سے ثابت ہو جائے تو پھر اس قول پر صحیح یا غلط ہونے کا حکم لگانے سے پہلے ان صاحب سے علمی مباحثے کا دور آتا ہے، جن کے حوالے سے وہ خبر نقل کی گئی ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے ہی بعض دفعہ اس گفتگو کے دوران آپ پر یہ بات عیاں ہو گی کہ درست مؤقف انہی صاحب کا ہی معلوم ہوتا ہے جن کے حوالے سے وہ خبر ذکر کی گئی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے:

جب بھی کوئی چیز کسی شخص کے حوالے سے منقول ہو اور وہ آپ کی رائے کے

مطابق صحیح قرار نہ پائے، تو اس صورت میں درج ذیل تین راستوں کو ترتیب سے اختیار کیجیے:

① پہلا راستہ 'خبر' کی صحت معلوم کرنے کے لیے تَثَبُّت یعنی تحقیق و تدقیق اور چھان بین کرنا۔

② اس پر لگائے گئے 'حکم' کی صحت اور درستگی کے بارے میں جستجو اور غور وفکر کرنا، اگر وہ درست ثابت ہو، تو اس کی تائید اور دفاع کرنا، اور اگر آپ کی رائے میں 'صحیح' نہ ہو تو پھر تیسرے راستے کو اختیار کیجیے اور وہ تیسرا راستہ ہے۔

③ اس شخص سے رابطہ اور براہِ راست گفتگو، مگر یہ گفتگو انتہائی اچھے طریقے، سلیقے ،سکون واطمینان اور ادب واحترام سے ہونی چاہیے۔

## ④ شرعی نصوص میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی 'مراد' کو سمجھنے کی حرص

علم کے حصول میں 'فہم' (سوجھ بوجھ) کا معاملہ اہم ترین امور میں سے ایک ہے اور یہاں 'فہم' سے مراد اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی 'مراد' کو سمجھنا ہے، اس لیے کہ بہت سے لوگ علم تو رکھتے ہیں مگر وہ دین میں فہم (اور سوجھ بوجھ) سے تہی دامن ہیں۔ تو اے علم کے طالب! سمجھے بغیر محض کتاب اللہ کو حفظ کر لینا اور سنت رسول اللہ ﷺ کا کچھ حصہ اَزبر کر لینا کافی نہ ہوگا۔ لہٰذا تیرے لیے یہ بات از حد ضروری ہے کہ جو کچھ بھی تجھ کو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ سے (وحی کی صورت میں) ملے، تو اس کو اچھی طرح سے سمجھ لے کہ، اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اصل 'مراد' کیا ہے اور کسی بھی قوم میں سب سے بڑی کمی اور کوتاہی یہ ہے کہ وہ شرعی نصوص سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی 'مراد' سے ہٹ کر استدلال

کرتے ہیں اور پھر اس طرح سے وہ صراطِ مستقیم (سیدھی راہ سے) ہٹ کر گمراہی کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔ (والعیاذ باللہ)

٭ اور یہاں میں ایک نہایت اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا اور وہ یہ ہے کہ بسا اوقات 'فہم' میں غلطی کا ارتکاب، جہالت کے ہوتے ہوئے غلطی کے ارتکاب سے بہت زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ جاہل شخص، جو جہالت کی بناء پر غلطی کرتا ہے، وہ یہ بات بخوبی جانتا ہوتا ہے کہ وہ ایک تو علم سے عاری ہے اور دوسرا یہ کہ وہ کچھ سیکھنے کے مرحلے میں ہے۔ مگر اس کے برعکس وہ شخص جو جانتے بوجھتے غلطی کرتا ہے، وہ اپنے تئیں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ ایک عالم اور ہر بات کی کنہ کو پالینے والا ہے اور پھر وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہی (فیصلہ اصل میں) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کی 'مراد' ہے...... ذیل میں ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ اس بارے 'فہم' (سوجھ بوجھ) کی اہمیت ہمارے لیے مزید واضح ہو جائے۔

## پہلی مثال

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ﴿وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ٭ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَ الطَّیْرَ وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ﴾ (الانبیاء: ۷۸، ۷۹)

''اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو بھی (یہی نعمت دی تھی) جب وہ (دونوں) ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے، جسے کچھ لوگوں کی بکریاں اُجاڑ گئی تھیں اور جب وہ فیصلہ کر رہے تھے، تو ہم انہیں دیکھ رہے تھے۔ اس

وقت ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو صحیح فیصلہ سجھا دیا، جبکہ ہم نے قوتِ فیصلہ اور علم دونوں کو عطا کیا تھا اور داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا کہ وہ ان کے ہمراہ تسبیح کیا کریں اور یہ تسخیر ہم ہی کرنے والے تھے۔''

آیتِ کریمہ کے ان الفاظ ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ میں اللہ عزوجل نے اس معاملے کی فہم وفراست میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام پر ایک (جزوی) فضیلت بخشی ہے، لیکن بعد کے یہ الفاظ ﴿وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے علم کی کمی کا یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آیتِ کریمہ میں مزید غور وفکر کیجئے،...... آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے امتیازی وصف 'فہم وفراست' کا ذکر فرمایا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک میزۃ (امتیازی صفت) کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ﴾

''اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ وہ ان کے ہمراہ تسبیح کیا کریں۔''

اور یہ اس لیے فرمایا تاکہ دونوں (باپ، اور بیٹا علیہما السلام) مقام میں برابری کی صف میں آ جائیں۔ تو پہلے اللہ تعالیٰ نے 'حکم اور علم' دونوں اوصاف میں، دونوں کا ذکر ایک ساتھ فرمایا، بعدازاں دونوں میں سے ہر ایک کو اس کی امتیازی صفت کے ساتھ (جدا حیثیت سے) ذکر فرمایا...... اور قرآنِ حکیم میں مذکور یہ مثال،

فہم (سوجھ بوجھ) کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ نیز اس بات پر بھی کہ علم ہی سب کچھ نہیں۔

## دوسری مثال

آپ کے پاس دو بڑے برتن پڑے ہوں، ان میں سے ایک کے اندر انتہائی سخت گرم اور دوسرے میں انتہائی شدید ٹھنڈا پانی ہو، اور سردیوں کا موسم بھی ہو۔ ایسے میں وہاں ایک آدمی ہو، جو غسل جنابت کرنا چاہتا ہو......تو وہاں موجود لوگوں میں سے کچھ لوگ اس جنبی شخص سے یہ بات کہیں کہ تیرے لیے غسل جنابت میں ٹھنڈے پانی کا استعمال افضل عمل ہے، اس لیے کہ اس سرد موسم میں ٹھنڈے پانی کے استعمال میں زیادہ مشقت ہے اور اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوْا: بَلَى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ......»

(صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ)

''کیا میں تمہیں ایسے اعمال کی جانب راہنمائی نہ دوں، جن کی بدولت اللہ (تمہاری) لغزشوں کو مٹا دے اور درجات بلند فرما دے، وہ (صحابہ کرامؓ) کہنے لگے: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! تب آپؐ نے فرمایا: ''مشقت کی راہ پر مکمل وضوء کرنا......''

مطلب یہ ہے کہ شدید سردی کے دنوں میں وضوء کرنا خطاؤں کی معافی اور درجات کی بلندی کا سبب ہے، تو جب آپؐ سرد موسم میں ٹھنڈے پانی کے ساتھ پورا وضو کرتے ہیں، تو یہ عمل اس وضو کی نسبت جو آپ سرد موسم میں گرم پانی سے

کریں گے اور جو کہ موسم کی شدت کے اعتبار سے زیادہ مناسب بھی ہے، زیادہ فضیلت کا حامل ہوگا۔ تو ان لوگوں نے جُنبی شخص کو مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ فتوی دیا کہ اس کے لئے گرم پانی کے بجائے ٹھنڈے پانی کا استعمال افضل ہے۔ تو اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا مذکورہ بالا مثال میں سرزد ہونے والی 'خطاء' 'علم' میں ہے یا کہ 'فہم' میں؟

**جواب**

اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے کہ یہاں 'خطاء' حدیث کے فہم میں واقع ہوئی ہے۔ (بالفاظ دیگر ان لوگوں نے حدیثِ رسول ﷺ کو تو پڑھ کر سنا دیا مگر استدلال سے پہلے 'مرادِ رسول ﷺ' کو نہ سمجھ سکے) اس لیے کہ حدیث کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں: «اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ» کہ مشقت کے ہوتے ہوئے بھی کامل وضو کرنا...... آپ ؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ موسم سرد ہوتے ہوئے بھی آپ ؐ وضو کے لیے ٹھنڈا پانی استعمال کریں۔ ان دونوں تعبیرات میں واضح فرق ہے۔

اگر مذکورہ حدیث میں مؤخر الذکر تعبیر وارد ہوتی، تو ہم فوراً یہ کہہ دیتے کہ ہاں وضو کے لیے ٹھنڈا پانی استعمال کرو، بلکہ آپ ؐ نے فرمایا: «اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ» مطلب یہ ہے کہ انسان کو کامل وضو کرنے میں ٹھنڈا پانی بھی آڑے نہیں آتا (اور وہ سرد موسم میں ٹھنڈا پانی ہوتے ہوئے بھی کامل وضو کرتا ہے)...... پھر اس ضمن میں ہم یہاں ایک سوال کرتے ہیں کہ کیا اللہ جلَّ شانہ اپنے بندوں کے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے یا کہ تنگی کا؟

## جواب

تو اس سوال کے جواب میں ایک تو اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد ہے ﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''کہ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے، تنگی (اور سختی) کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

اور دوسرے نبیٔ رحمت ﷺ کا یہ ارشاد بھی «اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ»

(صحیح بخاری:۳۹/سنن النسائی:۵۰۳۴)

''کہ یقیناً دین اسلام آسان ہے۔''

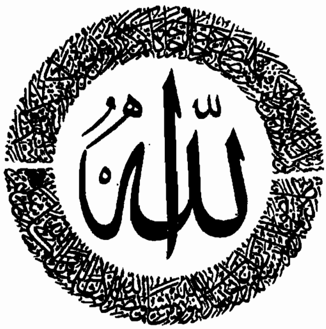
تو اس بحث کے اختتام پر تشنگانِ علم دین سے میں یہ کہوں گا کہ فہم (دین) کا معاملہ انتہائی اہم معاملہ ہے، لہٰذا ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم پہلے اچھی طرح سے یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کیا چاہا ہے؟ کیا اللہ عزّ وجل عبادات کی بجا آوری کے سلسلے میں یہ چاہتا ہے کہ وہ ان پر سختی اور تنگی کرے یا وہ یہ چاہتا ہے کہ اُن پر آسانی اور نرمی کرے؟ اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ رحیم و کریم ہمارے ساتھ آسانی ہی کا ارادہ رکھتے ہیں نہ کہ سختی اور تنگی کا۔

یہ وہ چند آداب ہیں، جن کا اثر لینا اور ہمہ وقت ان کا خیال رکھنا ایک طالب علم کے لیے از بس ضروری ہے، تاکہ وہ نہ صرف دوسروں کے لیے ایک اچھا نمونہ بن سکے، بلکہ اس سے آگے وہ بھلائی و نیکی کا داعی اور اللہ عزوجل کے دین کی امامت جیسے منصب پر بھی فائز ہو سکے۔ اور دین کی امامت کا یہ عظیم منصب کمال صبر و یقین سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ (السجدۃ:٢٤)

”اور جب انہوں نے مصائب پر صبر کیا، تو ہم نے ان میں سے کئی ایسے پیشوا بنا دیئے، جو ہمارے حکم سے اُن کی راہنمائی کرتے تھے اور یہ لوگ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔“





# دوسری فصل

## علم کے حصول میں معاون اَسباب

وہ اَسباب جو ایک طالب علم کو علم کے حصول میں ممدومعاون ہو سکتے ہیں، بہت سے ہیں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ ہم یہاں کیے دیتے ہیں۔

### پہلا سبب......تقویٰ (پرہیزگاری)

اور یہ اللہ جل شانہ کی وہ وصیت ہے، جو اس نے پہلے گزر جانے والے اور بعد میں قیامت تک آنے والے اپنے تمام بندوں کو ان الفاظ میں فرمائی:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا﴾ (النساء:۱۳۱)

''تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی، انہیں ہم نے تاکیدی حکم دیا تھا اور تمہارے لیے بھی یہی حکم ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو گے تو (سمجھ لو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کا ہے، اور وہ بڑا ہی بے نیاز اور تعریف کے لائق ہے۔''

اور یہی وصیت رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بھی فرمائی، حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان الباھلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ الفاظ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ، وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ، وَأَدُّوْا

زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيعُوْا أُمَرَآءَ كُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ»

(جامع ترمذی: ٦١٦/ مسند احمد: ۲۵۱/۵، ۲۶۲ اور امام البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ، پانچ فرض نمازیں (باقاعدگی سے) ادا کرو اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ (باقاعدگی سے) ادا کرو اور اپنے امراء (حکام) کی (نیکی و بھلائی کے کاموں میں) اطاعت و فرمانبرداری کرو، (اس طرح سے تم) اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

اور خاص طور پر جب آپ ﷺ کسی جنگی مہم میں امیر مقرر فرماتے، تو الوداع کہتے وقت اسے اور اس کے ساتھ پوری مجاہدین اسلام کی فوج کو تقویٰ اور نیکی وبھلائی کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔ اور اسی طرح بعد میں سلف صالحین رحمہم اللہ! کا بھی یہی طور طریقہ رہا۔ وہ اپنے دینی خطبوں، علمی تصانیف، دعوت و تبلیغ کے پیغامات، یہاں تک کہ وفات کے وقت لکھے جانے والے وصیت ناموں میں بطورِ خاص اس وصیت (تقویٰ، نیکی اور پرہیزگاری) کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔

* حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں نصیحت کی۔

"أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّی أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ فَإِنَّهُ مَنِ اتَّقَاهُ وَقَاهُ، وَمَنْ أَقْرَضَهُ جَزَاهُ، وَمَنْ شَكَرَهُ زَادَهُ"

''اللہ کی حمد وثناء کے بعد میں تجھ کو اللہ عزوجل کا تقویٰ (یعنی اس کا ڈر) اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ بلاشک جو شخص بھی اس (کی نافرمانی) سے ڈر گیا تو اس (ذات) نے اسے (ہر قسم کی آفات سے) بچالیا۔ اور جس شخص نے بھی

اس (ذات) کو قرضِ حسنہ دیا (یعنی اس کی راہ میں مال خرچ کیا) تو وہ اس کو (بہتر) بدلہ دے گا۔ اور جس شخص نے اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کیا، تو وہ اس کے لیے (اپنی نعمتیں اور) بڑھا دے گا۔"

✵ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

«أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ الَّذِيْ لَا بُدَّلَكَ مِنْ لِّقَائِهٖ وَلَا مُنْتَهَى لَكَ دُوْنَهٗ، وَهُوَ يَمْلِكُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ»

"کہ میں تجھ کو اس اللہ عزوجل کا تقویٰ اپنانے کی نصیحت کرتا ہوں، جس ذات سے لامحالہ تجھ کو ملنا ہے، اور جس ذات کے سوا تیرے لیے کوئی چارہ کار نہیں، اور وہ دنیا و آخرت (اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب) کا مالک ہے۔"

✵ اور صالحین میں سے ایک اور بزرگ، جو اپنے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بنائے ہوئے دینی بھائی کو اپنے ان الفاظ میں نصیحت نامہ لکھتے ہیں، اما بعد!

"اللہ جل شانہ کی حمد و ثناء کے بعد! میں تجھ کو اس اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات کا تقویٰ (یعنی ڈر) اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، جو تیرے پوشیدہ رازوں کا راز داں ہے، اور تیرے ظاہری حالات کا پاسبان ہے، لہٰذا تو رات، دن ہر حال میں اسی 'اللہ' (کی ذات) کی فکر کر اور جس حد تک وہ اللہ تیرے قریب اور تجھ پر قدرت و اختیار رکھتا ہے، اسی قدر تو اس (کی نافرمانی) سے ڈر، اور یہ جان رکھ کہ تو کبھی بھی اس کے کارخانۂ قدرت سے نکل کر کسی دوسرے کی بادشاہی میں قدم نہیں رکھ سکتا، تو تیرے لیے اسی بات ہی میں بہتری و بھلائی ہے کہ تو اس ذات کی بارگاہ میں، اس کی عظمت کے اعتراف میں اس سے اور زیادہ ڈرتا رہ اور کثرت سے لرزہ براندام رہ (والسلام)"

## تقویٰ کا مفہوم

تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے درمیان اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے، کے درمیان ایک ایسی آڑ بنا لے جو اسے اس چیز سے بچا سکے۔ تو اس (لغوی) معنی کی روشنی میں ایک بندۂ مومن کا اپنے رب سے تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے درمیان اور اپنے رب کے درمیان جس سے وہ ڈرتا ہے، اس کے غصے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے لئے ایسا لائحہ عمل اختیار کرتا ہے، جو اسے اس غصے اور ناراضگی سے بچا سکتا ہو اور وہ لائحہ عمل اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنا اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرنا ہے۔

اور یہ بات بھی جان لیجئے! کہ بسا اوقات تقویٰ (اللہ کا خوف) اور بر (نیکی و بھلائی) دونوں الفاظ کا ایک ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ذکر ہوا ہے۔ ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدۃ:۲)

"اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو۔"

اور کبھی یہ لفظ (تقویٰ) اکیلا ہی ذکر ہوتا ہے۔ تو اگر یہ لفظ 'بر' کے ساتھ مل کر آئے، تو اس وقت بر سے مراد احکاماتِ الٰہیہ' کو بجا لانا اور 'تقویٰ' سے مراد 'برائیوں کو ترک کرنا ہو گا' اور اگر یہ مفرد ذکر کیا جائے، تو یہ ہر دو پہلوؤں، اوامر و نواہی (یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری اور منکرات سے اجتناب کو شامل ہو گا۔ اور اللہ عزوجل نے اپنی کتاب (قرآنِ حکیم) میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ جنت متقی اور پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ تو اہل تقویٰ ہی حقیقت میں جنت کے حق دار ہیں، (اللہ عزوجل ہمارا اور آپ سب کا شمار اہل جنت میں سے کر

دے!) اسی لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے حکم کی بجا آوری کے لیے، اس سے اجر وثواب کے حصول کی خاطر اور اس کی تیار کردہ سزا سے بچنے کی غرض سے ہمہ وقت اس سے ڈرتا رہے اور تقویٰ اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ (الانفال:۲۹)

''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے، تو اللہ تمہیں قوتِ تمیز (یا نورِ بصیرت) عطاء کرے گا اور تم سے تمہاری برائیاں مٹا دے گا اور تمہیں بخش (بھی) دے گا۔ اور اللہ بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔''

مذکورہ آیتِ کریمہ میں تین انتہائی اہم فائدے ذکر ہوئے ہیں جو یہ ہیں:

**پہلا فائدہ**

﴿يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہیں ایسی بصیرت مرحمت فرمائے گا، جس کے ذریعے تم حق اور باطل نیز نقصان اور فائدے میں بخوبی تمیز کر سکو گے، اور اس میں حقیقی علم سب سے پہلے داخل ہوگا، اس لیئے کہ شرعی علوم کی بدولت اللہ تعالیٰ جو سربستہ راز (اور حکمت کے جواہر) انسان پر افشاں کرتا ہے کسی اور چیز کے ذریعے نہیں کرتا اور تقویٰ بندۂ مومن کی وہ صفت ہے، جس کی برکت سے وہ ہدایت و رہنمائی، علم وحکمت اور حفظ و اتقان کا وافر حصہ پالیتا ہے۔ اور اسی بناء پر ہی امام شافعی رحمہ اللہ! کے حوالے سے یہ عربی اشعار ذکر کیے جاتے ہیں:

شَكَوْتُ إِلَى وَكِيعٍ سُوْءَ حِفْظِي
فَأَرْشَدَنِي إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي

وَقَالَ اعْلَمْ بِأَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ
وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا يُؤْتَاهُ عَاصِیْ

''امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے استاذ) وکیعؒ سے اپنے کمزور حافظے کی شکایت کی، تو انہوں نے مجھے گناہ ترک کرنے کی نصیحت کی اور کہا کہ جان لیجئے! علم ایک نور (روشنی) ہے اور اللہ کا نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔''

اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انسان جس قدر 'حقیقی علم' میں بڑھتا چلا جاتا ہے، اسی قدر وہ معرفت اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے اور مضر اور مفید چیز کو جانچ پرکھ لینے کی قوّتِ تمیز میں بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح اس عطاء کردہ 'قوتِ تمیز' میں وہ فہم بھی داخل ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے متقی اور مومن بندے کو ودیعت فرماتا ہے، اس لیے کہ تقویٰ 'قوت فہم' کا بھی سبب ہے اور 'قوت فہم' ہی وہ نعمت ہے جس سے علم بڑھتا ہے۔ اور آپ عام حالات میں اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ دو آدمی قرآنِ حکیم کی ایک ہی آیت کریمہ کو پڑھتے، یاد کرتے اور سمجھتے ہیں، پھر ان دونوں میں سے ایک آدمی اس آیت سے صرف تین احکام نکال پاتا ہے، جبکہ دوسرا آدمی اُسی آیتِ کریمہ سے کہیں زیادہ احکام و مسائل اخذ کر لیتا ہے اور دونوں میں یہ فرق اس 'فہم کی' بناء پر ہے، جو اللہ جل شانہ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔

تو حاصلِ کلام یہ ہے کہ تقویٰ انسان میں 'فہم' کی زیادتی کا سبب ہے۔ اور اسی عطاء کردہ قوتِ تمیز میں 'فراست' بھی داخل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی بندے کو وہ فراست عطا فرماتا ہے، جس کے ذریعے وہ اپنی ظاہری نظر

سے کسی چیز کی اندرونی حقیقت کا بخوبی اندازہ کر لیتا ہے، یہاں تک وہ اللہ جل شانہ کی طرف سے عطاء کردہ اس 'فراست' کی بناء پر صرف ایک انسان کو دیکھ کر ہی یہ پہچان لیتا ہے کہ آیا وہ شخص جھوٹا ہے یا سچا، نیکو کار ہے یا فاسق و فاجر، اور بسا اَوقات وہ یہ حکم کسی ایسے شخص پر لگاتا ہے، جو اس کے لیے بالکل اجنبی ہوتا ہے۔ نہ پہلے کبھی اس سے ملا اور نہ کبھی اس بارے میں کچھ جانا۔

**دوسرا فائدہ**

﴿وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اس تقویٰ کی بدولت) تمہاری برائیاں مٹا دے گا۔ اور برائیوں کا خاتمہ نیک اعمال سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے:

«الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا مَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ)

"کہ پانچوں فرض نمازیں، اور ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان، درمیان میں سرزد ہونے والے گناہوں کو مٹاتے چلے جاتے ہیں، جب تک کبیرہ (بڑے) گناہوں سے اجتناب برتا جائے۔"

* اور رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشادِ گرامی ہے:

«الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا» (صحیح بخاری، کتاب العمرۃ)

"کہ عمرہ سے (دوسرا) عمرہ (درمیان) کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

تو گناہوں کا کفارہ اعمالِ صالحہ سے ہوتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ (کی نافرمانی سے ڈرتے ہوئے) بچتا ہے، تو اللہ تعالیٰ (اس

کے صلے میں) اس کو نیک اعمال کی توفیق اَرزاں دیتے ہیں، جن کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

## تیسرا فائدہ

﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے استغفار اور توبہ کے مواقع آسان کر دے گا اور یہ 'منعم حقیقی' اللہ جل شانہ کی اپنے بندے پر بہت بڑی نعمت ہے کہ اس کو (اپنے حضور) استغفار اور توبہ کی توفیق دے دے۔

## دوسرا سبب: علم کے حصول پر ثابت قدمی اور تسلسل

طالب علم پر ان باتوں کا تعین از حد ضروری ہے کہ وہ ایک تو علم کی طلب میں اپنی تمام تر محنت کوشش اور ممکنہ وسائل صرف کرے، دوسرے اس پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرے اور تیسرے یہ کہ اس کو حاصل کرنے کے بعد اس کی حفاظت کرے، اس لیے کہ 'علم' جسمانی راحت اور آرام طلبی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ایک متعلم (طالب علم) کو چاہیے کہ اپنی منزلِ مقصود کو پانے کے لیے ہر وہ ذریعہ اور طریقہ استعمال میں لائے جو اسے اس منزل تک پہنچانے میں معاون و مددگار ہو سکتا ہے۔ ایسے با مقصد (لیکن کٹھن) راستوں پر چلنے کے صلے میں اُسے بڑے ثواب سے نوازا جاتا ہے۔ اور اس کی دلیل صحیح مسلم میں مذکور نبی رحمت ﷺ کی یہ حدیث ہے:

«مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ» (صحیح مسلم، کتاب الدعوات)

''اور جو شخص علم کی جستجو میں کسی راستے پر چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس

کے لیے جنت کی طرف جانے کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔‘‘

تو مذکورہ حدیث کی رُو سے طالب علم ’جنت‘ جیسی نعمت عظمیٰ کی خاطر حقیقی و شرعی علم کو حاصل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں لگا دینی چاہئیں۔ اسے چاہیے کہ وہ ثابت قدمی اور تسلسل سے علم حاصل کرے، راتوں کی قربانی دے اور ہر اس چیز کو چھوڑ دے جو اس کے اور طلبِ علم کے درمیان رکاوٹ بنتی ہو۔‘

☆ سلف صالحین رحمہم اللہ! کی طلبِ علم پر ثابت قدمی اور اس بارے میں اُن کی غیر معمولی قوتِ ارادی کے کئی مشہور واقعات اور مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی یہ روایت ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپؓ نے علم کیسے پایا؟ تو انہوں نے ان الفاظ میں جواب دیا۔ ”بِلِسَانٍ سَؤُوْلٍ وَقَلْبٍ عَقُوْلٍ وَبَدَنٍ غَيْرِ مَئُوْلٍ“ کہ کثرت سے سوال کرنے والی زبان، قوتِ فہم رکھنے والے دل اور غربت و افلاس والے جسم کے ذریعے۔ اور حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے وہ (اپنے بارے میں) کہتے ہیں: کہ اگر مجھے کسی بھی آدمی کے حوالے سے حدیث ملتی، تو میں (تحقیق کی غرض سے) اس کے دروازے پر آتا، تو اس کے گھر کی چوکھٹ پر اپنی چادر (دامن) پھیلا دیتا، یہاں تک کہ ہوائیں مجھ پر گرد و غبار کی چادر اوڑھا دیتیں، تو پھر وہ صاحب خانہ گھر سے باہر آتے اور (میری حالت دیکھ کر) کہتے اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد! آپؓ کا یہاں کیسے آنا ہوا؟ آپ نے مجھے کیوں نہیں اطلاع دی کہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا؟ تو میں جواب میں کہتا، میں آپ کے پاس آنے کا زیادہ حق رکھتا تھا۔ پھر میں ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھتا......) تو حضرت عبداللہ

بن عباسؓ نے علم کی طلب میں تواضع وانکساری اختیار کی ،تو اللہ جل شانہ نے اس کے عوض ان کو سر بلند کر دیا......اسی طرح طالب علم کو بھی چاہیے کہ وہ علم کے حصول میں غیر معمولی قوتِ ارادی، عاجزی اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کرے۔

٭ اور امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے کہ ایک رات امام احمد رحمہ اللہ نے انہیں اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا اور ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا، امام شافعی رحمہ اللہ نے کھانا تناول فرمایا اور بعدازاں دونوں (میزبان اور مہمان) اپنی اپنی آرام گاہ کی طرف چلے گئے ،جبکہ امام شافعیؒ اپنے بستر پر لیٹے اس حدیث سے احکام استنباط کرنے میں لگ گئے، جس میں اللہ کے نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے:«يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟» ''اے ابوعمیر! نغیر نے یہ کیا کیا؟ (یا نغیر کا کیا بنا؟)'' دراصل ابوعمیر کے پاس ایک چھوٹا سا پرندہ تھا جس کا نام 'نغیر' رکھا گیا، تو یہ پرندہ مرگیا۔ جس پر ابوعمیر بچہ بہت غمگین ہوا۔ اللہ کے نبی ﷺ بچوں کے ساتھ بھی میل جول رکھتے ہوئے ہنس کھیل لیتے تھے اور ہر انسان سے اس کی حیثیت کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ تو امام شافعیؒ پوری رات اپنے بستر پر دراز اسی ایک حدیث پر غوروخوض کرتے رہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے ایک ہزار سے زائد فوائد مستنبط (اخذ) کیے اور شاید اس دوران آپؒ کی کیفیت یہ رہی ہو کہ آپؒ کی نظر جب ایک فائدے پر اُٹھتی تو وہی 'فائدہ' ایک اور حدیث کی طرف ان کی توجہ کو پھیر دیتا ہو، اور اسی طرح اتنی تعداد میں آپؒ نے ایک ہی فرمانِ رسول ﷺ سے فوائد اکٹھے کیے، یہاں تک کہ پوری رات بیت گئی اور جب فجر کی اذان ہوئی تو امام شافعی رحمہ اللہ بستر سے اُٹھ کھڑے ہوئے، وضو

بھی نہیں کیا اور سیدھے اپنے گھر کی جانب چل دیے۔

اِمام احمد رحمہ اللہ! اپنے اہل خانہ کے ہاں، امام شافعیؒ کی خوب مدح سرائی فرمایا کرتے تھے۔اس بار گھر والوں نے کہا:اے ابوعبداللہ! آپ کس بناء پر اس آدمی کی ثنا کرتے ہیں جو ہمارے گھر آیا،عشاء کے وقت کھایا پیا، اور سیدھا بستر پر جا کر لیٹ گیا،رات کو قیام بھی نہ کیا اور فجر کی نماز بھی وضو کے بغیر ادا کی؟ تو اس پر امام احمد رحمہ اللہ نے امام شافعیؒ رحمہ اللہ سے پوچھا،تو انہوں نے جواب دیا:

''جہاں تک میرے 'بافراغت' کھانا کھانے کا تعلق ہے،تو وہ اس لیے کہ میں نے (اپنے میزبان) امام احمدؒ کے کھانے سے بڑھ کر کہیں بھی اتنا عمدہ کھانا نہیں پایا۔تو میں نے چاہا کہ سیر ہو کر کھانا کھالوں۔اور میرا رات کو تہجد (رات کی نماز) ادا نہ کرنا،اس وجہ سے تھا کہ چونکہ تعلیم وتعلم رات کے قیام سے افضل عمل ہے،تو میں نے اس (مذکورہ) حدیثِ رسولؐ میں غوروفکر کرنا شروع کر دیا۔اور جو میں نے فجر کی نماز کے لیے وضو نہیں کیا،تو یہ اس بناء پر کہ میں عشاء کے وقت سے ہی وضوء کی حالت میں تھا،لہٰذا میں نے دوبارہ وضو کے لیے اہلِ خانہ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہا۔''

بہر حال میں یہاں یہ بات کہوں گا کہ طلبِ علم میں ثابت قدمی اور مداومت نہایت ضروری چیز ہے۔تو عصرِ حاضر میں ہمیں اس بات کی طرف توجہ مرکوز کرنی چاہیے کہ کیا ہم اس طرح کی ثابت قدمی اور استقامت رکھتے ہیں یا نہیں؟ آج کے دور میں 'درسِ نظامی' پڑھنے والے حضرات جب اپنی پڑھائی سے فارغ ہو کر واپس پلٹتے ہیں،تو بسا اوقات وہ ایسی چیزوں میں دل لگاتے اور منہمک ہوتے ہیں جو اُن کی تعلیمی سرگرمیوں اور پڑھائی کے اسباق میں مطلق مددگار ثابت نہیں

ہوتیں، اور میں اس کی ایک مثال دیتے ہوئے یہ چاہوں گا کہ (اللہ کرے) نہ ایسا ہو اور نہ اس جیسی کوئی نظیر (مثال) ملے۔

ایک طالبِ علم نے بعض مضامین میں سے کسی ایک مضمون کے بارے میں نہایت نامناسب انداز میں جواب دیا، تو اس پر مدرس (استاذ) نے پوچھا یہ کیوں؟ تو اس نے کہا: ''یہ اس لیے کہ میں اس مضمون کو سمجھنے سے (پوری طرح) مایوس ہو چکا ہوں، لہٰذا میں اسے نہیں پڑھوں گا مگر میں اس کا سند یافتہ (ضرور) ہونا چاہتا ہوں''۔ یہ کیسی مایوسی ہے؟ یہ تو بہت بڑی خطا ہے۔ اس کے بجائے ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم مقصد کے حصول تک پوری تندہی اور ثابت قدمی کے ساتھ سلسلہ تعلیم و تعلم جاری رکھیں۔

* ہمارے صبر و ثبات اور ثابت قدمی کے پیکر استاذِ محترم عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ! نے مجھے یہ بیان فرمایا: کہ اہل کوفہ کے 'نحو' کے امام کسائیؒ کے بارے یہ بات مذکور ہے کہ انہوں نے 'علم نحو' پڑھنا شروع کیا، لیکن ممکن نہ ہو سکا، تو انہوں نے ایک دن چیونٹی کو اپنا کھانا اُٹھائے دیوار پر چڑھتے دیکھا۔ وہ یہ دیکھتے رہے کہ چیونٹی جب بھی کچھ بلندی پر چڑھتی تو نیچے گر پڑتی، مگر وہ تسلسل اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول کے لئے کوشاں رہی، یہاں تک کہ وہ اس کٹھن مرحلے کو سر کرتے ہوئے بالآخر دیوار پر چڑھ گئی۔ امام کسائیؒ خود کہتے ہیں کہ اس چیونٹی نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ اس نے منزلِ مقصود کو پا لیا۔ تو چیونٹی کے اس عمل کو دیکھ کر انہوں نے بھی اسی تندہی واستقامت کے ساتھ 'نحو' پڑھنا شروع کی، یہاں تک کہ وہ 'فن' نحو میں امامت کے منصب پر فائز ہوئے۔

لہٰذا اے تشنگانِ علم دین! علم حاصل کرتے وقت ہمیں بھی صبر وثبات اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور مایوس ہر گز نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ مایوسی کا مطلب 'خیر و برکت' کے دروازے کو بند کر دینا ہے۔ نیز ہمیں چاہیے کہ ہم اس میدان میں بدشگونی لینے کے بجائے نیک شگون لیں اور نیک ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر خیر و برکت کے حصول میں پوری طرح سے مستعد ہو جائیں۔

## تیسرا سبب: حفظ واتقان

ایک طالب علم پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ جو کچھ پڑھے اور سیکھے اس کو مسلسل اپنے زیر مطالعہ رکھے یا پھر اسے احاطۂ تحریر میں لے آئے، تاکہ وہ اس کے پاس ایک مستقل تحریری ثبوت کی صورت میں بھی اور پھر اس کے دل و دماغ اور سینے میں بھی محفوظ رہ سکے، اس لیے کہ بھول چوک انسان کا خاصہ ہے۔ تو ایسے میں اگر وہ کثرتِ مطالعہ پر توجہ نہیں دے گا اور پڑھی سیکھی چیز کا بار بار اعادہ نہیں کرے گا، تو وہ چیز زیادہ دیر تک اس کے دل و دماغ میں نہیں ٹھہر پائے گی، اور بالآخر وہ اسے بھول جائے گا۔ اور اس بارے میں یہ بات کہی گئی ہے:

الْعِلْمُ صَيْدٌ وَالْكِتَابَةُ قَيْدُهُ
قَيِّدْ صُيُوْدَكَ بِالْحِبَالِ الْوَاثِقَة
فَمِنَ الْحَمَاقَةِ أَنْ تَصِيْدَ غَزَالَةً
وَتَتْرُكَهَا بَيْنَ الْخَلَائِقِ طَالِقَةً

''علم ایک 'شکار' ہے اور کتابت اس کو پھانسنے کا پھندہ لہٰذا تو اپنے 'شکار' کو

مضبوط رسی سے جکڑ لے! یہ بات سراسر حماقت ہے کہ تو ہرن کا 'شکار' تو کرے اور پھر اسے مخلوق کے درمیان کھلا بھی چھوڑ دے۔!''

✵ اور اُن جملہ طرق میں سے جو علم کے حفظ وضبط پر معاون ثابت ہو سکتے ہیں ایک یہ بھی ہے کہ انسان حاصل کردہ علم سے راہنمائی لے اور اسے اپنی عملی زندگی میں اپنائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ﴾ (محمد:۱۷)

''اور جن لوگوں نے ہدایت پائی ہے۔ اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور تقویٰ (پرہیزگاری) سے نوازتا ہے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ (مریم:۷۶)

''اور جو لوگ راہِ راست پر چلتے ہیں، اللہ انہیں مزید ہدایت (راہنمائی) عطا فرماتا ہے۔''

تو اللہ جل شانہ کے اس فرمان ﴿زَادَهُمْ هُدًى﴾ کے عام ہونے کی بناء پر انسان جس قدر اپنے حاصل کردہ علم پر عمل پیرا ہوگا، اسی قدر اللہ تعالیٰ اس کے قوتِ حافظہ اور سوجھ بوجھ میں اضافہ فرما دے گا۔

## چوتھا سبب: علمائے کرام سے وابستگی

طالبِ علم پر یہ واجب ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ عزوجل سے مدد طلب کرے۔ پھر اہل علم اور جو کچھ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، ان سے تعاون لیتا رہے، کیونکہ محض خود پڑھنا اور مطالعہ پر ہی اکتفاء کر کے بیٹھ جانا، کسی چیز کو سیکھنے اور سمجھنے کے لیے ایک لمبے عرصے کا متقاضی ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص جو کسی صاحب علم

کے پاس بیٹھ کر کوئی چیز سیکھتا یا سمجھتا ہے، تو وہ صاحب علم اس کے سامنے براہ راست اس چیز کو بیان کرتا، اس کی وضاحت کرتا اور اس کے لئے علم کی شمعیں روشن کرتا ہے۔ اور میرا یہ بات کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ علم صرف علمائے کرام اور مشائخ عظام کے روبرو بیٹھ کر ہی حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ بعض حالات میں انسان صرف کتابیں پڑھنے اور مطالعہ کرنے سے بہت کچھ پالیتا ہے، لیکن غالب احوال میں جب تک انسان اس مقصد کے لیے پورے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ رات اور دن ایک کر کے علم کے ساتھ اس میں فہم اور سوجھ بوجھ کا ملکہ پیدا نہیں کر پاتا، اس وقت تک اس بات کا بہت زیادہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ بہت بڑی غلطیوں کا ارتکاب نہ کر بیٹھے...... اور شاید اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے: "مَنْ كَانَ دَلِيْلُهٗ كِتَابُهٗ فَخَطَئُهٗ اَكْثَرُ مِنْ صَوَابِهٖ" "کہ جس شخص کی دلیل (راہنما) اس کی کتاب ہوئی، تو اس کی غلطیاں اس کے درست (اعمال کی) نسبت زیادہ ہوں گی...... لیکن درحقیقت یہ کہنا علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ مگر قابل اعتبار اور مثالی طریقہ یہی ہے کہ عِلم براہِ راست اہل علم اور مشائخ حضرات سے سیکھا جائے۔ اور میں یہاں طالب علم کو یہ نصیحت بھی کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ کسی ایک کتاب یا فن کو ایک سے زیادہ شیخ یا استاذ سے نہ سیکھے۔ مثلاً: وہ عِلم فقہ کو ایک ہی وقت میں مختلف اَساتذہ اور مشائخ سے پڑھنا اور سمجھنا شروع کر دے، تو یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ علماء جہاں کتاب وسنت سے استدلال کرتے وقت ایک دوسرے سے جدا انداز اور طریقہ اختیار کرتے ہیں وہاں وہ اپنی آراء میں بھی اختلاف کرتے نظر آتے ہیں۔

تو ایسی صورت میں ،اے علم کے طالب! تیرے لیے زیادہ مناسب اور درست طریقہ یہ ہے کہ تو مختلف فنون کو سیکھنے کے لیے متعلقہ فنون میں ماہر الگ الگ استاذ کا انتخاب کرتے ہوئے ان سے علم حاصل کر ،مثال کے طور پر علم فقہ کے لیے فقہ کے ماہر اور علم بلاغت کے لیے بلاغت کے ماہر استاذ سے استفادہ کر، اور اگر ایک ہی استاذ ایک سے زیادہ مختلف فنون میں مہارت رکھتا ہو تو اس ایک ہی استاد سے مختلف فنون پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ایسے میں اس کی مصاحبت اختیار کرتے ہوئے اس سے زیادہ سے زیادہ وابستہ رہ کر علمی فائدہ اُٹھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑ......اور اگر تو نے ایک ہی فن (یا موضوع کی کتاب) ایک سے زیادہ مشائخ سے سیکھنے کی زحمت اُٹھائی۔مثلاً: علم فقہ کا جو بھی استاذ نظر آیا، اس کے پاس جا کر پڑھنا اور سیکھنا شروع کر دیا اور ان میں سے ہر ایک نے جدا جدا طریقے سے تجھے پڑھانا شروع کر دیا اور پھر انہوں نے ایک ہی مسئلہ میں اپنی آراء میں بھی اختلاف کیا، تو ایسی صورتِ حال میں تیری کیا حالت ہو گی؟ اس وقت تیرے اپنے مؤقف میں حیرت اور شک کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا۔لیکن اس کے برعکس کسی ایک متعین فن کو سیکھنے کے لیے تیرا اسی فن میں مہارت رکھنے والے ایک ہی صاحبِ علم شخص سے وابستہ رہنا ذہنی سکون و راحت کا باعث ہو گا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیُّ التَّوْفِیْق!

# تیسرا باب

◉ علم حاصل کرنے کے مختلف طرق
◉ اور غلطیاں جن سے بچنا واجب ہے

**اس میں دو فصلیں ہیں:**

**پہلی فصل:** علم حاصل کرنے کے مختلف طرق (وسائل)

**دوسری فصل:** وہ غلطیاں جن سے بچنا واجب ہے

# پہلی فصل

## علم حاصل کرنے کے مختلف طرق

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب انسان کسی جگہ جانا چاہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہاں تک پہنچنے کا راستہ معلوم کرے ،اور اگر ایک سے زیادہ راستے ہوں تو ان میں سب سے قریبی اور آسان راستے کو اختیار کرے اسی بناء پر ایک طالب علم کے لیے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنی علمی جستجو اور طلب علم کو خاص اُصولوں پر کاربند رہتے ہوئے جاری رکھے اور اس راہ میں اندھی اونٹنی کی طرح پاؤں نہ مارتا پھرے جیسا کہ کہا جاتا ہے:

"فَمَنْ لَّمْ يُتْقِنِ الْاُصُوْلَ حُرِمَ الْوُصُوْلَ"

''جو شخص (کسی ہدف) کو پانے کے لیے، اصولوں کی پاسداری نہیں کرتا وہ مقصد کو پانے سے محروم رہتا ہے۔''

'ناظم' نے اس بارے کیا خوب کہا ہے:

وَ بَعْدُ، فَالْعِلْمُ بُحُوْرٌ زَاخِرَةٌ لَنْ يَّبْلُغَ الْكَادِحُ فِيْهِ آخِرَهُ

لٰكِنْ فِيْ اُصُوْلِهٖ تَسْهِيْلًا لِنَيْلِهٖ فَاحْرِصْ تَجِدْ سَبِيْلًا

اغْتَنِمِ الْقَوَاعِدَ الْاُصُوْلَا فَمَنْ تَفُتْهُ يُحْرَمُ الْوُصُوْلَا

اما بعد! علم کی مثال ایک لبالب بھرے ہوئے موجزن سمندر کی سی ہے، جس کی آخری تہہ تک ایک محنت و مشقت کرنے والا کبھی نہیں پہنچ سکا، لیکن اے 'متعلم'

علم کے حصول میں اس کے اصولوں کو اپنانے کی تگ و دو کر، جو اس راہ کو تیرے لیے آسان کر دیں گے۔ نیز اس راہ میں ان اصول و قواعد کو غنیمت جانتے ہوئے (لازم) پکڑ لے، کیونکہ جس شخص سے بھی یہ چھن گئے وہ اپنی منزل (مقصد) کو پانے سے محروم رہا۔

اور ان اُصول و قواعد کی تفصیل درج ذیل ہے:

اور 'اصول' تو وہ حقیقی علم ہے اور 'مسائل' اس کی جزئیات و تفصیلات۔ جیسے ایک درخت، جس کی اصل (جڑ) اور فروع (شاخیں اور ٹہنیاں) ہوتی ہیں، اگر یہ ٹہنیاں اور شاخیں، مضبوط اور عمدہ اصل (یعنی جڑ اور تنے) پر کھڑی نہ ہوں تو وہ ٹوٹ اور سوکھ جائیں گی، لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ وہ 'اُصول' کیا ہیں اور کون سے ہیں؟ کیا وہ 'اہلِ اُصول' کی زبان میں 'ادلہ صحیحہ' (صحیح دلائل) ہیں؟ یا وہ قواعد و ضوابط ہیں؟ یا پھر یہ دونوں مراد ہیں؟

**جواب**

یہاں 'اصول' سے مراد 'کتاب و سنت' کے دلائل ہیں اور قواعد وضوابط سے مراد وہ جو پوری تحقیق و جستجو سے کتاب و سنت سے اخذ کیے جائیں۔ اور یہ طالب علم کے لیے اہم ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ مثال کے طور پر یہ اُصول:

"اَلْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيْرَ"

''مشقت آسانی کو کھینچتی ہے۔''

کتاب و سنت سے ماخوذ ہے 'کتاب اللہ' میں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:۷۸)
''اور اس (اللہ تعالیٰ) نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

اور 'سنت مطہرہ' سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعلَى جَنْبٍ» (صحیح بخاری: صحیح مسلم)

''کھڑے ہو کر نماز پڑھیے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھیے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے پہلو پر (لیٹ کر) پڑھیے۔''

نیز محسن انسانیت ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

''کہ جب میں تمہیں (دین سے متعلق) کسی کام کا حکم دوں تو تم اپنی استطاعت کے مطابق اسے انجام دو۔''

یہ (اصول میں سے) ایک 'اصل' ہے۔ اگر آپ کے پاس، مختلف صورتوں میں ایک ہزار (۱۰۰۰) دینی مسائل بھی آ جائیں، تو آپ اس 'اصل' کو بنیاد بنا کر ان تمام مسائل پر حکم لگا سکتے ہیں، لیکن اس کے برعکس اگر آپ اس 'اصل' سے تہی دامن ہیں اور آپ کے پاس دو (۲) دینی مسئلے بھی آ گئے، تو آپ پر مشکل پڑ جائے گی......اور یہ بات بھی واضح رہے کہ علم کے حصول کے دو طریقے ہیں:

## پہلا طریقہ

کہ علم ان مستند اور قابل اعتماد کتابوں سے اخذ کیا جائے، جنہیں مشاہیر علمائے کرامؒ نے اپنے پختہ علم، علمی امانت اور صحیح عقیدے کے باوصف، بدعات و

خرافات سے بچتے ہوئے تالیف کیا ہے......اوران کتابوں سے علمی استفادہ کرتے ہوئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ انسان اس سلسلے میں (مقصد کے حصول کی خاطر) ہر وہ کوشش کرے، جو اس کے بس میں ہو، مگر ساتھ ہی اس راہ میں دو (دشوار گزار) گھاٹیاں بھی ہیں (جن کو عبور کرنا ازبس ضروری ہے)

## پہلی گھاٹی 'طویل جدوجہد'

انسان کو اس میدان میں قدم رکھنے کے بعد ایک لمبا عرصہ درکار ہے اور ساتھ ہی سخت اور کٹھن حالات کا سامنا بھی اوراَن تھک محنت وکوشش بھی، تا کہ وہ علم کے جس مرتبے کا متلاشی ہے اُسے ممکنہ حد تک پا سکے، اور یہ وہ گھاٹی ہے، جس کی بہت سے لوگ طاقت نہیں رکھتے، خاص طور پر جب وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو اسی راہ میں بے کار اور وقت ضائع کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو انہیں بھی غفلت اور سستی آلیتی ہے۔ یہ تھکاوٹ، بزدلی اور اکتاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور بالآخر اپنی 'منزل مراد' پانے سے رہ جاتے ہیں۔

## دوسری گھاٹی: علمی ضعف (سطحی علم)

مستند 'امہات الکتب' سے علم اخذ کرنے والا شخص غالبًا ایسا سطحی قسم کا علم رکھتا ہوتا ہے، جو فقہی قواعد واصول کی بنیاد نہیں بن سکتا (اور نہ وہ خود ان قواعد واصول کو بنیاد بنا کر علم حاصل کر سکتا ہے) اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہم ایسے شخص میں بہت ساری علمی غلطیاں پاتے ہیں جو از خود اور براہ راست کتابوں کے بین السطور سے علمی نکات اچکتا نظر آتا ہے، کیونکہ وہ ان قواعد واصول سے محروم ہے جن پر ایسے وقت میں اعتماد کیا جاتا ہے اور جن پر اُن جزئیات کی بنا رکھی جاتی ہے جو کتاب

سنت سے براہِ راست ماخوذ ہوتی ہیں۔ اور ہم لوگوں میں ایسے شخص کو بھی پاتے ہیں جو ایسی حدیث کو زیرِ بحث لاتا ہے، جس کا صحاح اور مسانید کی مستند کتب میں کہیں ذکر نہیں ہوتا اور یہ انداز نہ صرف اہلِ علم بلکہ پوری امت کے ہاں متداول اور قابلِ اعتماد اصولوں کے یکسر خلاف ہے۔ پھر یہ شخص اس حدیث کو حرزِ جان بناتے ہوئے اپنے عقیدے کی اساس بناتا ہے، اور یہ طریقہ بلاشک واضح غلطی ہے، اس لئے کہ کتاب وسُنت کے اپنے اُصول ہیں، جن پر (مسائل کے فروعات وجزئیات) کا انحصار ہے۔ لہٰذا مسائل کے حل کے لیے ان جزئیات کو 'اُصول' کی طرف لوٹانا انتہائی ضروری ہے۔ پھر جب بھی ہم ان جزئیات میں ان 'اُصول' کے مخالف کوئی ایسی چیز پائیں گے، کہ جن کی وجہ سے ان میں ہم آہنگی، ناممکن نظر آتی ہو تو ایسی صورت میں ہم ان جزئیات سے صرف نظر کریں گے۔

## دوسرا طریقہ

علم حاصل کرنے کا دوسرا بڑا طریقہ (یا ذریعہ) یہ ہے کہ اس سلسلے میں ایسے معلم (استاذ) کے سامنے زانوئے تلمذ بچھایا جائے، جو اپنے ثقہ علم وعمل میں معروف اور قابلِ اعتماد ہو۔ اور یہ علم کو ٹھوس بنیادوں پر اور سرعت سے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور یہ اس لیے بھی کہ پہلے 'طریقے' کو اختیار کرنے پر بسا اوقات ایک طالبِ علم پھسل سکتا ہے اور اس کی وجہ اس کا کم فہم ہونا یا کم علم ہونا یا اَسباب میں سے کوئی اور سبب بھی ہوسکتا ہے۔ اور جہاں تک 'دوسرا طریقہ' ہے تو اس میں براہ راست معلم (استاذ) کے ساتھ علمی گفتگو اور مختلف آراء کے تبادلے کا خوب موقعہ ملتا ہے جس سے ایک طالبِ علم کے لیے فہم، تحقیق و تدقیق، صحیح اقوال

کے دفاع اور ضعیف اَقوال کو رد کرنے کی کیفیات کے بہت سے دروازے وا ہو جاتے ہیں، اور اگر کوئی طالب علم ایک ساتھ دونوں طریقوں کو استعمال میں لا سکتا ہو تو یہ علمی مقاصد کے حصول کے لیے زیادہ کامل اور مؤثر ہے، لہٰذا طالب علم کو چاہیے کہ وہ پہلے اہم کام سے اپنے مشن کی ابتداء کرے، مطلب یہ ہے کہ زیادہ طویل اور عمیق علوم سے پہلے مختصر اور آسان فہم کتابوں کو پڑھنا اور سیکھنا شروع کرے، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ علمی رسوخ میں بڑھتا چلا جائے ، اور علمی میدان میں وہ دوسرے زینے پر اس وقت تک کبھی قدم نہ رکھے، جب تک وہ پہلے زینے کو صحیح طریقے سے عبور کرنے کی صلاحیت حاصل نہ کرلے، تاکہ اُس کی علمی استعداد صحیح رُخ اور مناسب رفتار سے پرواز کر سکے۔

# دوسری فصل

## غلطیاں جن سے (طلب علم کے دوران) بچنا واجب ہے

**حسد:**

اور یہاں کچھ ایسی غلطیاں ہیں جو دورانِ تعلیم، بعض طالب علموں سے سرزد ہوتی ہیں، اور ان میں ایک بری خصلت (حسد) ہے۔ اور حسد سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے علاوہ کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر ناپسند جانے، جو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے۔ اور محض اس کا اللہ جل شانہ کی عطا کردہ نعمت کے چھن جانے کی تمنا کرنا ہی 'حسد' نہیں کہلاتا، بلکہ اپنے علاوہ کسی بھی شخص کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت دیکھ کر اُسے ناپسند کرنا بھی 'حسد' ہی کی ایک صورت ہے، اور یہی وہ 'حسد' ہے جس میں حاسد (حسد کرنے والا) خواہ اس نعمت کے خاتمے کی تمنا کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، لیکن اسے ناپسند ضرور کرتا ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ! اس بارے میں فرماتے ہیں:

"اَلْحَسَدُ كَرَاهَةُ الْإِنْسَانِ مَا أَنْعَمَ اللّٰهُ بِهِ عَلَى غَيْرِهِ"

'حسد' یہ ہے کہ انسان کا کسی دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر اسے ناپسند کرنا، جس نعمت سے اللہ تعالیٰ نے اسے نوازا ہے۔"

اور 'حسد' ایسا مرض ہے کہ جس سے بسا اوقات انسانی نفوس (قلوب و اذہان) بچ نہیں پاتے، مطلب یہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ مرض بعض اوقات

'نفس' کو دبوچ لیتا ہے، لیکن ایسے حالات میں اس کا حل بھی حدیث شریف میں آیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:[1]

«إِذَا حَسَدْتَ فَلَا تَبْغِ ، وَإِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُحَقِّقْ» (پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں «ثَلَاثَةٌ لَا يَسْلَمُ مِنْهُنَّ اَحَدٌ: الطِّيَرَةُ، وَالظَّنُّ وَالْحَسَدُ، فَإِذَا تَطَيَّرْتَ فَلَا تَرْجِعْ، وَإِذَا حَسَدْتَ فَلَا تَبْغِ، وَإِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُحَقِّقْ»

''کہ تین ایسی خصلتیں ہیں جن سے کوئی آدمی محفوظ نہیں، بدشگونی لینا، برا گمان رکھنا اور حسد کرنا، تو جب تو بدشگونی لے، تو اس طرف نہ پلٹ اور جب حسد کرے، تو ظلم وزیادتی نہ کر اور جب تو بُرا گمان کرے تو اس پر عمل نہ کر۔''

اس حدیث کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ۱۰/۲۱۳ میں ذکر کرتے ہوئے کہا ہے یہ 'مرسل' یا 'معضل' ہے، مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث اس کی 'شاہد' ہے جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے 'الشعب' میں نکالا ہے۔

اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو 'التمہید' میں ان الفاظ سے نکالا ہے:

«إِذَا حَسَدْتُمْ فَلَا تَبْغُوْا وَإِذَا ظَنَنْتُمْ فَلَا تُحَقِّقُوْا، وَإِذَا تَطَيَّرْتُمْ فَامْضُوْا وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا»...... اور 'التمہید' میں دیگر الفاظ یہ ہیں: «ثَلَاثٌ لَمْ يَسْلَمْ مِنْهُنَّ اَحَدٌ : الطِّيَرَةُ، وَالظَّنُّ وَالْحَسَدُ، قِيْلَ فَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِذَا تَطَيَّرْتَ فَلَا تَرْجِعْ، وَإِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُحَقِّقْ، وَإِذَا حَسَدْتُمْ فَلَا تَبْغُوْا»

''تین ایسی چیزیں جن سے کوئی نہیں بچ پاتا: بدشگونی، برا گمان، اور حسد، کہا

گیا کہ ان سے بچ نکلنے کے کون سے راستے ہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو بدشگونی لے تو اس کی طرف نہ پلٹ، جب تو برا گمان کرے تو اُسے عملاً ثابت نہ کر، اور جب تم حسد کرنے لگو، تو زیادتی نہ کرو۔''

دیکھئے التمہید، ۶/۱۲۵ اور امام الطبرانیؒ نے اس حدیث کو 'الکبیر' میں ان الفاظ کے ساتھ نکالا ہے:

«ثَلَاثَةٌ لَازِمَاتٌ لِأُمَّتِي: الطِّيَرَةُ وَالْحَسَدُ وَسُوْءُ الظَّنِّ، فَقَالَ رَجُلٌ: وَمَا يُذْهِبُهُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِمَّنْ هُنَّ فِيْهِ؟ قَالَ: إِذَا حَسَدْتَّ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَإِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُحَقِّقْ وَإِذَا طَيَّرْتَ فَامْضِ»

''تین خصلتیں جو میری اُمت میں لامحالہ پائی جائیں گی: بدشگونی، حسد اور برا گمان، ایک آدمی نے سن کر کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ جس شخص میں یہ ہوں اُسے ان سے کون سی چیز نجات دلا سکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا 'جب تو حسد کرنے لگے، تو أستغفر اللہ کہہ اور جب برا گمان کرے، تو اس پر عمل نہ کر اور جب بدشگونی لے، تو اس سے گزر جا۔ (دیکھئے: المعجم الکبیر للطبرانی: ۳/۳۲۵۸)

''جب تو حسد کرے تو ظلم و زیادتی سے باز رہ، اور جب برا گمان رکھے تو اسے عملی جامہ پہنانے سے رک جا۔''

مطلب یہ ہے کہ انسان جب بھی اپنے دل میں (نہ چاہتے ہوئے بھی) کسی اور شخص کے بارے میں 'حسد' کی بو محسوس کرے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے قول و عمل کے ساتھ اس پر کسی بھی قسم کی زیادتی کرنے سے باز رہے، کیونکہ ایسا کرنا یہودیوں کی بری خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے جس کے بارے میں اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ اٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ﴾ (النساء:۵۴)

"یا وہ دوسرے لوگوں پر اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے از راہِ فضل انہیں کچھ دے رکھا ہے، تو ہم نے تو آلِ ابراہیمؑ کو کتاب وحکمت بھی دی تھی اور (ساتھ ہی) بہت بڑی سلطنت بھی دے رکھی تھی۔"

پھر حاسد، 'حسد' کرتے ہوئے دیگر منفی اور انتہائی خطرناک اعمال کا مرتکب ہوتا ہے، جن سے بچنا اور خبردار رہنا ہر حال میں ضروری ہے۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

**پہلا**

یہ ہے کہ حاسد کا اس چیز کو ناپسند کرنا، جسے اللہ عزوجل نے مقدر کیا ہے، لہٰذا اس کی ایک تو یہ ناپسندیدگی اور کراہت اس چیز کے بارے میں ہے جسے اللہ جل شانہ نے اپنے تکوینی (یعنی لامحالہ لاگو ہو کر رہنے والے) فیصلے کے اعتبار سے اس شخص کو (ایک نعمت کی صورت میں) عطا فرمائی ہے اور دوسرا یہ کہ اس کی یہ ناپسندیدگی ایک طرح سے اللہ عزوجل کے فیصلے کی مخالفت ہے۔(العیاذ باللہ)

**دوسرا**

یہ ہے کہ 'حسد' نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے، کیونکہ اکثر اوقات 'حاسد' ناپسندیدہ الفاظ میں محسود (حسد کیے جانے والے شخص) کا ذکر کرتے ہوئے لوگوں کو اس سے متنفر کرتے ہوئے اور پھر لوگوں

کے سامنے اس کو اس کے اصل مقام اور قدر و منزلت سے گرانے کی کوشش کرتا ہے اور ایسے طرزِ عمل کا شمار ان گناہوں میں ہوتا ہے، جو بلا شک نیکیوں کا سد باب کر کے رہتے ہیں۔

### تیسرا

وہ مذموم حسرت ہے جو 'حاسد' کے دل میں جنم لیتی اور وہ آتش اور جہنم جو اس کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے، تو 'حاسد' جب کبھی اس (محسود) کے پاس اللہ عزوجل کی کوئی نعمت دیکھے گا، تو اس کا چہرہ افسردہ اور دل گھٹنے لگے گا۔ اس کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ اس 'محسود' کی ٹوہ میں لگا رہے اور پھر جوں ہی اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمت سے نوازے گا، تو وہ غمگین اور افسردہ ہو کر بجھ جائے گا اور اس کی اپنی دنیا اس پر تاریک ہو جائے گی۔ (العیاذ باللہ)

### چوتھا

یہ ہے کہ حسد میں (اللہ کے دشمن) یہودیوں کے ساتھ خاص طور پر مشابہت ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ جو شخص کفار کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت اپنا لیتا ہے، تو نبی رحمت ﷺ کے اس فرمان کے مطابق اس خصلت میں اُس کا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

اِرشادِ نبویؐ ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»

''جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ شخص انہی لوگوں میں سے ہے۔''

(مسند احمد: ۵/۵، سنن ابی داوٗد، کتاب اللباس اور ابن ابی شیبہ نے 'المصنف'

میں: ۳۱۳/۵ اور الھیثمی نے 'مجمع الزوائد' ۱۰/۱۲۷؛ اور ابن عبد البرؒ نے 'التمہید' ۶/۸۰ اور امام طبرانیؒ نے اسے 'الاوسط' میں روایت کیا ہے۔ جس کی سند میں ایک راوی علی بن غراب ہے، جس کی کئی ایک نے تو توثیق کی ہے اور بعض نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ سند کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے۔ الفتاویٰ ۳۳۱/۵ اور حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے 'حسن' ہے اور 'سند' میں ابو منیب راوی کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اور اسی طرح 'اسناد' میں عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان راوی کی ثقاہت میں اختلاف کیا گیا ہے اور اس کے لیے 'حسن اسناد' کے ساتھ ایک 'مرسل' 'شاہد' بھی ہے جسے ابن ابی شیبہؒ نے اوزاعی عن سعید بن جبلۃ کے طریق سے نکالا ہے۔ دیکھئے فتح الباری، ۹۸/۶؛ اور امام السیوطیؒ نے 'الجامع الصغیر' ۵۹۰/۱، میں اسے ذکر کرنے کے بعد اس کے 'حسن' ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے نیز احمد شاکرؒ نے اسے صحیح کہا ہے دیکھئے مسند: ۵۱۱۴۔ (واللہ اعلم بالصواب)

## پانچواں

یہ ہے کہ 'حاسد' کا 'حسد' خواہ کیسا ہی ہو اور کتنا طاقتور کیوں نہ ہو، یہ ناممکن ہے کہ وہ 'محسود' سے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو ہٹا سکے اور اگر یہ بات ناممکن ہے تو پھر اس کے دل میں 'حسد' جیسا موذی مرض جو سراسر اس کے اپنے لیے نقصان دہ ہے، کیونکر گھر کر جاتا ہے؟!

## چھٹا

یہ کہ حسد 'کمال ایمان' کے منافی ہے اور اس کی دلیل نبی رحمت ﷺ کی یہ حدیث ہے «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

(صحیح بخاری:۱۳/ صحیح مسلم:۴۵/ جامع ترمذی:۲۵۱۵/ سنن ابن ماجہ:۶۶)

''تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہو۔''

اس فرمانِ نبوی ﷺ کا منطوق ومفہوم یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمت کے خاتمے کو ناپسند کرے، اس لیے کہ جب تو اس نعمت کے زوال کو ناپسند کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمائی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہیں کی جو تو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے اور یہی بات اس مذکورہ حدیث کی رو سے 'کمال ایمان' کے منافی ہے (کہ حسد کرنے والا اپنے بھائی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر تو اس کے زوال کی تمنا کرتا ہے جب کہ ایسا ارادہ وہ اپنی عطا کردہ نعمت کے بارے میں نہیں رکھتا)

## ساتواں

یہ ہے کہ 'حسد' ہمیشہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے اُس کا فضل وکرم مانگنے سے آڑے آتا ہے، لہٰذا تو حاسد کو ہمیشہ اس نعمت کی فکر میں اُلجھا ہوا پائے گا، جو اللہ تعالیٰ نے اس کے بھائی کو مرحمت فرمائی ہے، اور سی فکر میں رہتے ہوئے وہ خود اللہ ربّ العزت کے حضور سوال کرنے سے محروم رہتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـــَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا﴾ (النساء:۳۲)

''اور اگر اللہ نے تم میں سے کسی ایک کو دوسرے پر کچھ فضیلت دے رکھی ہے، تو اس کی ہوس نہ کرو، جو کچھ مردوں نے کمایا ہے، اس کے مطابق ان کا حصہ

(ثواب) ہے اور جو عورتوں نے کمایا ہے، اس کے مطابق ان کا بھی حصہ ہے
۔ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعاء مانگتے رہا کرو۔''

آٹھواں

یہ ہے کہ 'حسد' حاسد کے ہاں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تحقیر کا باعث بنتا ہے ،مطلب یہ ہے کہ حاسد نعمت کے ہوتے ہوئے بھی یہ خیال کرتا ہے کہ وہ خود نعمت سے محروم ہے، جبکہ دوسرے (یعنی محسود) کے پاس اس سے کہیں بڑھ کر نعمتیں ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خود اس کے پاس اللہ جل شانہ کی نعمتیں اس کی نگاہ میں حقیر ہو جاتی ہیں اور وہ بجائے مُنعم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی بارگاہ میں شکر کرنے کے کفرانِ نعمت اور ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔(العیاذ باللہ)

نواں

یہ ہے کہ 'حسد' انتہائی بری اور قابلِ مذمت عادت ہے، اس لیے کہ حاسد ہمیشہ معاشرے میں اُن لوگوں کی تلاش وجستجو میں رہتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں سے فیض یاب زندگی گزارتے ہیں اور اس کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں اور اس (محسود) شخص کے درمیان ایک ایسا (مذموم) کردار ادا کرے ،جس سے ایک تو وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں گر جائے اور دوسرا وہ (محسود) معاشرے میں جو کارِ خیر سرانجام دے رہا ہوتا ہے اسے وہ گھٹیا اور غیر مفید باور کرا سکے۔

دسواں

یہ ہے کہ غالب احوال میں حاسد جب 'حسد' کرتا ہے، تو وہ ایک طرح سے

محسود پر ظلم و زیادتی کر رہا ہوتا ہے، جس کا نتیجہ واضح ہے کہ (اللہ تعالیٰ کے ہاں) محسود اس ظلم و زیادتی کے مطابق حاسد سے نیکیاں کھینچ لے گا، اور جب تک نیکیاں حاسد کے پاس باقی رہیں گی، یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اور جوں ہی حاسد کی نیکیاں ختم ہوں گی، تو پھر اس محسود کی برائیاں 'حاسد' کے پلڑے میں جمع ہونی شروع ہو جائیں گی۔ اور بالآخر انہی گناہوں کے بوجھ تلے وہ حاسد اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ من ذلک)

## خلاصۂ کلام

'حسد' ایک انتہائی مذموم عادت ہے اور بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سب سے زیادہ یہ عادت علماء اور طالبانِ علم میں پائی جاتی ہے، ہر چند کہ کاروباری حضرات کے درمیان اور اُن لوگوں کے درمیان بھی 'حسد' خاصی حد تک دیکھنے میں آیا ہے، جو ایک ہی پیشہ کو اختیار کرتے ہیں اور پھر آپس میں حسد و رقابت بھی رکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ تو ایک طرف رہے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ 'حسد' علماء و طلبا میں دوسروں کی نسبت بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے، حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اہلِ علم حضرات بقیہ تمام لوگوں کی نسبت اس سے سب سے زیادہ دور اور اخلاقِ حسنہ میں بقیہ سارے لوگوں کی نسبت سب سے قریب ہوتے۔

اور اے میرے طالب علم بھائی! جب کبھی تو یہ دیکھے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے بندے کو کسی نعمت سے بہرہ ور فرمایا ہے، تو پھر تو بھی اس جیسا بننے کے لیے کوشش شروع کر دے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت سے نوازا ہے، اسے کبھی

ناپسند نہ جان، بلکہ اس کے بجائے اللہ کے حضور یہ دعا کر

«اللّٰھُمَّ زِدْہُ مِنْ فَضْلِكَ وَاَعْطِنِی اَفْضَلَ مِنْہُ»

''الٰہی! اس کو اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ عطا کر اور مجھے اس سے بہتر نعمتوں سے نواز!''

اور 'حسد' کسی کے کچھ بھی حالات نہیں بدل سکتا، لیکن جیسا کہ ہم نے قدرے تفصیل سے اس میں پائے جانے والے ان دس (۱۰) دنیوی و اُخروی نقصانات اور منکرات کی فہرست دی ہے جن سے بچنا ہر صورت میں ضروری ہے۔ اور اس میں مزید غور وفکر کرنے والا شخص شاید ان سے کہیں زیادہ مفاسد و مضرات کو پا لے۔

* اور دوسری بڑی غلطی، جس کا ارتکاب طلبہ، علم حاصل کرنے کے دوران کرتے ہیں۔ وہ ہے بغیر علم کے فتوی دینا۔

الافتاء (فتویٰ صادر کرنا) بہت بڑا منصب ہے اور مفتی (صاحبِ فتویٰ) اپنے اس منصب کا استعمال عام لوگوں کے دینی معاملات میں پیش آنے والی مشکلات اور اُلجھنوں کو حل کرنے کے لیے کرتا ہے۔ ان کی صحیح دینی راہنمائی کرتا ہے۔ اسی بناء پر یہ عظیم منصب کسی بھی شخص سے میل نہیں کھاتا سوائے اس کے، جو اس کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس لیے بندوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور (کسی بھی دینی مسئلے میں) علم و بصیرت کے بغیر اپنی زبانیں نہ کھولیں، اور یہ بخوبی جان لیں کہ اللہ وحدہٗ لا شریک ہی ساری مخلوق کا مالک و خالق ہے اور اسی کا ہی حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔ تو اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، نہ اس اللہ کے سوا مخلوق کی

کوئی تدبیر کرنے والا ہے اور نہ ہی اس مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے سوا اور کوئی شریعت ہے۔ اور وہی یکتا ذات ہے جو کسی چیز کو فرض قرار دیتی ہے اور وہی ذات ہے جو کسی چیز کو حرام قرار دیتی ہے اور وہی اللہ ہے جو (اپنی پیدا کردہ چیزوں کو اپنی مخلوق کے لیے) مباح اور جائز قرار دیتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی سخت نکیر فرماتا ہے جو محض اپنی خواہشات کی تکمیل میں حلال وحرام کا حکم لگاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (یونس:۵۹،۶۰)

"(اے محمدؐ) آپ ان سے کہیے، کیا تم نے سوچا کہ اللہ (تعالیٰ) نے تمہارے لیے جو رزق اُتارا تھا اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو حرام قرار دے لیا اور کسی کو حلال، تو کیا اللہ (تعالیٰ) نے تم کو اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہو اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا قیامت کے دن کے متعلق کیا خیال ہے؟"

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۞ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النحل:۱۱۶،۱۱۷)

"جو جھوٹ تمہاری زبانوں پر آ جائے اس کی بناء پر یوں نہ کہا کرو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگ جاؤ۔ جو لوگ

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ (ایسے جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے مگر (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

اور گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کے حلال ہونے کے بارے میں فتویٰ صادر کر دے، حالانکہ وہ اس بارے میں اللہ کا حکم نہیں جانتا، یا پھر کسی چیز پر حرام ہونے کا حکم لگا دے، باوجودیکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اسی طرح وہ کسی چیز کو واجب قرار دے اور یہ نہ جانتا ہو کہ آیا اللہ تعالیٰ نے اسے واجب قرار دیا ہے یا نہیں، اور اس کے برعکس کسی چیز کو غیر واجب کہہ دے، حالانکہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ اللہ عزوجل نے اسے واجب قرار دیا ہے یا غیر واجب۔ یقیناً ایسا طرزِ عمل جہاں ایک بہت بڑا گناہ ہے وہاں اللہ عزوجل کی شان میں گستاخی اور سوئے ادب کے مترادف ہے۔

اے بندے! اس بات کی حقیقت تجھے کیسے معلوم ہو گی کہ ’حکم‘ صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے ہے، یا پھر یہ حقیقت جان لینے کے بعد کہ ’حکم‘ صرف اللہ ہی کا ہے۔ اسے مطلق نظر انداز کرتے ہوئے اللہ جل شانہ کے دین اور شریعت طاہرہ میں ایسی بات کہتا ہے، جس کا تجھے علم نہیں ہوتا؟ اللہ عزوجل نے تو اپنے حق میں، بغیر علم و دلیل کے کہی گئی بات کو اپنی ذات کے ساتھ شرک جیسے بڑے گناہ کے ساتھ ملایا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی

اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف:۳۳)

"(اے محمدؐ!) آپ ان سے کہیے، کہ میرے پروردگار نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ یہ ہیں: بے حیائی کے کام خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں، اور گناہ کے کام اور ناحق زیادتی اور یہ کہ تم اللہ کے ساجھی بناؤ، جس کے لیے اس نے کوئی دلیل نہیں اُتاری اور یہ کہ تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگاؤ جن کا تمہیں علم نہیں۔"

اور عامۃ الناس میں سے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ایک دوسرے کو ایسے مسائل کے بارے میں فتوے دیتے ہیں، جن کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ آپ ان کو (بڑے بے باک انداز میں) یہ کہتے ہوئے پائیں گے:

"یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام، یا یہ واجب ہے یا غیر واجب ہے، حالانکہ اس بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتے ہوتے۔ کیا ان لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے اس بارے میں پوچھے گا؟"

کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ وہ ایک شخص کو اپنے اس طرزِ عمل سے گمراہ کر دیں گے! کہ اس کے لیے ایک ایسی چیز کو جائز قرار دیں، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، یا ایسی چیز کو حرام قرار دیں، جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال کیا ہے۔ تو اگر انہوں نے ایسا کیا تو پھر اس کا گناہ بھی انہی کے پلے پڑ جائے گا اور ان پر اسی مقدار کے برابر گناہ کا بوجھ ہوگا جس قدر اس شخص نے آگے عمل کیا اور یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے فتویٰ دے کر (دوسرے شخص کو) گمراہ کر دیا ہے۔

اور یہاں عام لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اور طرح کا گناہ کماتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی عام آدمی کسی شخص کو عالم دین سے کوئی مسئلہ پوچھتے دیکھ لیتا ہے۔ تو یہ عام آدمی اسے یہ کہے گا آپ کو فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں، یہ مسئلہ تو

بالکل واضح ہے۔ یہ حرام چیز ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ چیز حلال اور جائز ہوتی ہے۔ تو اس طرح سے وہ (جاہل شخص) اس چیز کو حرام قرار دیتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال کیا ہوتا ہے یا پھر وہ (عام آدمی) کسی شرعی حکم کے بارے میں اسے یہ کہتا ہے' ایسا کرنا تو واجب (فرض) ہے اور اس شخص کے لئے اس حکم کو لازم قرار دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لازم نہیں کیا ہوتا یا پھر وہ (بڑی جرأت سے) یہ کہتا ہے:

یہ (حکم) تو غیر واجب ہے، جبکہ وہ حقیقتاً اللہ عزوجل کی شریعت میں واجب (فرض) ہوتا ہے۔ تو اپنے اس قول سے وہ (عام آدمی) اس شخص سے وہ چیز ہی ساقط (غیر ضروری) کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب (فرض) کیا ہوتا ہے، یا اپنے اس قول سے کہ یہ چیز حلال اور جائز ہے جو کہ حقیقت میں حرام ہوتی ہے، وہ شخص اللہ تعالیٰ کی شریعت طاہرہ کے خلاف بغاوت جیسے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور ساتھ ہی بغیر علم کے فتویٰ دے کر اپنے مسلمان بھائی کی خیانت بھی کی!

ذرا بتایئے تو سہی! اگر کوئی شخص آپ سے کسی شہر کی طرف جانے کا راستہ دریافت کرے اور آپ صحیح راستہ نہ جانتے ہوئے بھی اس بیچارے کو ببانگِ دہل یہ کہیں اس شہر کو جانے کا یہ راستہ ہے۔ تو کیا لوگ اسے آپ کی طرف سے خیانت شمار نہیں کریں گے (اور اگر یہ بات ایسے ہی ہے) تو پھر آپ جنت کی طرف جانے کے راستے کی بابت، جو کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعتِ طاہرہ ہے، اور پھر آپ اس کے بارے میں کچھ جانتے بھی نہ ہوں، کیسے اور کیونکر بات کر سکتے ہیں؟

اور کچھ تشنگانِ علم (نیم علمائے دین) بھی عام لوگوں کی طرح بڑی جراءت کے ساتھ کسی چیز کو حلال، حرام اور واجب (فرض) قرار دیتے ہوئے شریعت طاہرہ پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ وہ ان شرعی احکام سے متعلق گفتگو اور بحث کرتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں ہوتا، لہٰذا وہ بڑے بے باک ہو کر مفصل پر مجمل کا اور مجمل پر مفصل کا حکم لگاتے ہیں، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام (کی معرفت) میں تمام لوگوں سے بڑھ کر ناواقف ہوتے ہیں۔

اے مخاطب! جب تو ان میں سے کسی ایک کو شرعی احکام میں گفتگو کرتے سنے گا، تو اس کی بات میں 'لا اُبالی' اور ظاہری ٹھوس پن دیکھ کر تجھے ایسا لگے گا جیسے اس پر وحی اُتر رہی ہو۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ وہ اپنی گفتگو میں یہ الفاظ کہے 'لا اَدرِی' کہ میں نہیں جانتا، باوجودیکہ کم علمی اور جہالت اس کا ثابت شدہ وصف ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود وہ اپنی جہالت پر مصر رہتے ہوئے اور اپنے تئیں یہ باور کراتے ہوئے کہ وہ ایک ثقہ عالم ہے، عام لوگوں کو دینی نقصان پہنچاتا ہے، اس لیے کہ لوگ بسا اوقات اس کی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے دینی اُمور میں دھوکہ کھائیں گے۔

کاش کہ ایسے نیم حامل دین لوگ، دینی امور میں 'حکم' لگانے کی نسبت صرف اپنی ذات کی طرف کرتے! نہیں ہرگز نہیں، بلکہ تو انہیں دیکھے گا کہ وہ بڑی ڈھٹائی سے یہ نسبت اسلام کے نام جڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں: اسلام ایسے کہتا ہے۔ اس بارے میں 'اسلام' کا یہ نقطہ نظر ہے۔ اور ایسا کہنا بالکل جائز نہیں الا یہ کہ کہنے والا پوری طرح سے یقین نہ کرلے کہ یہ بات دین اسلام کی ہے۔ اور اس یقین کے

حصول کا ایک ہی طریقہ ہے۔اور وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن حکیم) اور اس کے رسول ﷺ کی سنت طاہرہ (حدیث) اور اجماع اُمت (اہل اسلام بشمول علمائے حق کے اتفاق) کی معرفت۔

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے عناصر جو، پرہیز گاری، اللہ سے خوف اور اس سے حیا کھانے کے وصف سے تہی دامن ہونے کی بناء پر بڑی بے باکی سے اس چیز کے بارے میں ،جس کی شریعت میں حرمت واضح ہوتی ہے۔یہ کہتے ہیں: ''میرا یہ خیال نہیں کہ یہ چیز حرام ہے۔'' یا ایسی چیز کے بارے میں جس کا شریعت میں واجب (فرض) ہونا بالکل واضح ہوتا ہے،اپنی زبان سے یہ تیر چھوڑتے ہیں: ''کہ ہمارا گمان ہے کہ یہ چیز واجب (فرض) نہیں''......اور ایسی جرأت وہ یا تو جہالت کی بناء پر یا ازروئے عناد اور تکبر کے، اور یا پھر دین اسلام کے بارے میں اللہ کے بندوں کو شکوک وشبہات میں ڈالنے کی خاطر کرتے ہیں۔

(نسأل اللّٰه تعالیٰ العافیة)

اے میرے بھائیو!

یہ بات عقل وایمان اور اللہ عزَّ وجل کے تقویٰ وتعظیم سے ہے، کہ آدمی جس چیز کے بارے نہ جانتا ہو وہ یہ کہے: ''لَا اَعْلَمُ ، لَا اَدْرِیْ ، أَسْاَلُ غَیرِیْ'' مجھے معلوم نہیں ، میں، نہیں جانتا، میں کسی اور سے اس بارے پوچھوں گا(یا میرے سوا کسی اور سے پوچھ لیجیے!) اور یہ انداز اس کے کامل عقل (ہونے) کی نشاندہی کرتا ہے، اس لیے کہ لوگ اس کی دین میں احتیاط اور تحقیق کو دیکھ کر اس پر اعتماد کرنے لگیں، گے اور چونکہ وہ اپنی علمی استعداد وحیثیت کو خود جانتا ہوتا ہے۔ایسے

میں وہ اپنے آپ کو اس مقام پر لے آتا ہے (جس مقام اور حیثیت پر لوگ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں) اور بلا شک یہ وصف بھی کمالِ ایمان اور اللہ جل شانہ کے تقویٰ پر دلالت کرتا ہے کہ انسان اپنے پروردگار کے حکم سے آگے نہ بڑھے اور اس کے دین سے متعلق کوئی بھی ایسی بات نہ کرے جسے وہ نہ جانتا ہو......اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ مخلوق ہیں۔آپؐ سب سے بڑھ کر اللہ عزوجل کے دین کو جاننے والے تھے،مگر آپؐ سے جب بھی کسی ایسی چیز کی بابت پوچھا جاتا جس بارے میں آپؐ پر وحی نازل نہ ہوئی ہوتی،تو آپؐ وحی اُترنے تک انتظار فرماتے، یہاں تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آیات نازل فرما کر اس سوال کا جواب دیتے،جس بارے میں اس کے پیغمبر برحق سے پوچھا گیا ہوتا تھا۔

چند ایسی آیاتِ کریمہ درج ذیل ہیں:

① ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ (المائدۃ:۴)

"لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ اُن کے لیے کیا کچھ حلال کیا گیا ہے۔؟ آپؐ اُن سے کہیے! کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں۔"

② ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا﴾

"لوگ آپؐ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپؐ انہیں کہیے! کہ ابھی میں (اللہ کی طرف سے خبر ملنے کے بعد) اس کا کچھ حال تمہیں سناؤں گا۔" (الکھف:۸۳)

③ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ﴾ (الاعراف:۱۸۷)

''لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپؐ ان سے کہیے یہ بات تو میرا پروردگر ہی جانتا ہے۔ وہی اسے اس کے (مقررہ) وقت پر ظاہر کرے گا۔''

**اسی طرح**

آپ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کوئی شرعی مسئلہ درپیش ہوتا اور وہ اس میں اللہ جل شانہ کے حکم سے نابلد ہوتے، تو اس میں بات کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور توقف اختیار کرتے تھے ......انہی صَفْوَةُ الْخَلْقِ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہستی ہے، جو کہتے ہیں:

* ''کون سا آسمان مجھ پہ سایہ کرے گا اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی، جب میں اللہ کی کتاب میں بغیر علم کے کچھ کہوں گا۔''
* اور یہاں ایک اور ہستی خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہے، ان کے ہاں جب بھی کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے، تو آپؓ فی الفور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کرتے اور پھر اُن سے مشورہ لیتے ہیں۔
* امام ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ، اُس مسئلے کے بارے میں، جسے وہ نہ جانتے ہوتے، احتیاط کرنے والا اور ڈرنے والا کوئی نہ تھا، اور حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر، اس مسئلے کے بارے میں جس کا وہ علم نہ رکھتے تھے، کوئی احتیاط کرنے والا اور ڈرنے والا نہ تھا۔''

✵ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اے لوگو! جس شخص سے بھی علم (دین) سے متعلق کوئی بات پوچھی جائے اور وہ جانتا ہو، تو اسے وہ بات کہہ دینی چاہیے۔ اور جس شخص کے پاس اس بات کا علم نہ ہو تو وہ یہ الفاظ کہے 'اللہ اعلم' کہ اللہ خوب جانتا ہے' اور نہ جانتے ہوئے آگے سے یہ کہہ دینا 'اللہ اعلم' یہ بھی علم ہی (کی قبیل سے) ہے۔''

✵ اور امام شعبی رحمہ اللہ! سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا، تو انہوں نے کہا:

''کہ میں اسے اچھے انداز سے بیان نہ کرسکوں گا۔ اس پر آپؒ کے ساتھی کہنے لگے: پھر ہم نے تو آپ سے مسئلہ پوچھ کر) آپ کو شرمندہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر امام شعبیؒ کہنے لگے: مگر

''فرشتے تو اپنی اس بات سے شرمندہ نہیں ہوئے، جب انہوں نے اپنے پروردگار کے حضور یہ کہا ﴿لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ (البقرۃ:۳۲)

''ہمیں کچھ علم نہیں، سوائے اس بات کے جو تو نے ہم کو سکھلائی ہے۔''

اور یہاں بغیر علم کے صادر کیے گئے فتووں کی بہت سی مثالیں ہیں۔

اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مریض کے کپڑے اگر پلید ہو جائیں اور اس کے لیے انہیں پاک کرنا ممکن نہ ہو، تو اسے فتویٰ دیا جاتا ہے کہ وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک وہ اپنے کپڑوں کو پاک نہ کرلے اور یہ فتویٰ سراسر جھوٹ، خطاء اور باطل ہے لہٰذا مریض کے لیے یہ حکم ہے کہ اگر وہ نجاست کے اِزالے کی طاقت نہیں رکھتا، تو اپنے کپڑے اور بدن پلید ہونے کے باوجود وہ نماز ادا کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن:۱۶)

''جس حد تک تم طاقت رکھتے ہو، سو اللہ (تعالیٰ) سے ڈرو۔''

لہٰذا بیمار شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے حالات وسعت اور طاقت کے مطابق نماز ادا کرے، پہلے تو وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے، اگر وہ بیٹھ کر پڑھنے کی سکت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنے پہلو پر لیٹ کر بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور اس صورت میں وہ لیٹے ہوئے اپنے سر سے اشارہ کرے، اگر ایسا کرنا اس کے بس میں ہو۔ اور اگر مریض اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو، تو بعض اہلِ علم کے مطابق وہ اپنی آنکھ کے اشارے سے بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور اگر کمزوری اس حد تک بڑھ چکی ہو کہ وہ بیمار اپنی آنکھ کے اشارے سے بھی عاجز ہے مگر ایسی حالت میں اس کی عقل کام کر رہی ہو، تو اپنے دل میں نماز ادا کرنے کی نیت کرے، اور زبان سے اذکار پڑھنا شروع کر دے مثلاً:

تکبیر تحریمہ (اللهُ أَكْبَرُ) کہہ کر قیام کی نیت کرے، پھر سورہ فاتحہ اور قرآنِ حکیم سے کوئی اور سورت بھی ساتھ ملائے، پھر 'تکبیر انتقال' (اللهُ أَكْبَرُ) کہہ کر (تسبیحات) پڑھے اور دل میں یہ نیت کرے کہ وہ رکوع کر رہا ہے۔ پھر (سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے اور ارادہ یہ کرے کہ اب وہ رکوع سے اُٹھ رہا ہے (بعد ازاں مسنون، اذکار پڑھے) اور اسی طرح سجدوں اور نماز کے بقیہ افعال میں کرے۔ جن افعال کو وہ ادا کرنے سے عاجز ہے، اُن کی اپنے دل میں نیّت کرے اور نماز کو اس کے اصل وقت سے بالکل مؤخر نہ کرے۔

✷ ایسی ہی قبیل کے جھوٹے اور خطا پر مبنی فتوے کی وجہ سے بعض مسلمان 'بے نماز' موت کی آغوش میں جا پڑے، اور اگر وہ اس حقیقت سے باخبر ہوتے

کہ ایک مریض انسان کو ہر حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے، تو وہ نمازی ہو کر اپنے حقیقی معبود سے ملتے۔

* یہ اور اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں، لہٰذا عامۃ الناس پر یہ لازم ہے کہ وہ خاص طور پر اپنے دینی احکام کی بابت اہلِ علم سے پوچھیں، یہاں تک کہ وہ اللہ عزوجل کے اصل حکم سے ایک تو صحیح طرح سے مطلع ہو جائیں اور دوسرے اللہ جل شانہ کے دین کے بارے میں ایسی بات نہ کہہ سکیں جسے وہ نہ جانتے ہوں۔

* اور تیسری بڑی غلطی جو طلبہ میں دیکھنے کو ملتی ہے، وہ تکبر ہے۔ جس کی اللہ کے نبی ﷺ نے بڑی جامع اور واضح انداز سے وضاحت فرمائی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے «اَلْكِبْرُ بَطْرِ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»

(صحیح مسلم:۹۱/سنن ترمذی:۱۹۹۹)

مذکورہ حدیث میں (بَطْرُ الْحَقِّ) سے مراد حق بات کو ٹھکرا دینا، جبکہ (غَمْطُ النَّاسِ) کا مطلب ہے۔ لوگوں کو حقیر اور کم تر سمجھنا۔

تو اس حدیث کی رو سے (اے طالب علم!) تیرا استاذ کی بات کو رد کر دینا، اس کے ساتھ گفتگو میں مقابلے کی سطح پر آ جانا اور اس کے ساتھ سوئے ادب سے پیش آنا، یہ سب غرور و تکبر کی قبیل سے ہے۔ اسی طرح تیرا اپنے سے کم تر شخص سے کوئی مفید یا علمی بات لینے سے رک جانا بھی تکبر ہی کی علامت ہے، اور بعض طلبہ سے فی الواقع ایسا ہوا ہے، کہ کوئی ایسا شخص جو کہ بظاہر علمی مقام میں ان سے کم تر ہے۔ کوئی فائدے کی بات انہیں بتانا چاہے، تو وہ سوچے سمجھے بغیر اس کی وہ

بات سننے یا قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور اے طالب علم! تیرا علم کے ہوتے ہوئے عمل میں کوتاہی کرنا سراسر محرومی اور نقصان کی علامت ہے۔ جس سے ہم اللہ جلّ شانہ کی عافیت مانگتے ہیں۔ اور اسی بارے میں کسی کہنے والے نے یوں کہا ہے:

اَلْعِلْمُ حَرْبٌ لِلْفَتَى الْمُتَعَالِي
كَالسَّيْلِ حَرْبٌ لِلْمَكَانِ الْعَالِي

شعر کا مطلب:

"اُونچی اُڑان (اکڑفون) رکھنے والے انسان کے لیے ناممکن ہے کہ وہ 'علم' کے مرتبے کو پاسکے، اس لئے، کہ 'علم' ایسے شخص کے لئے اُس کے مدمقابل محارب (لڑنے والے) کی مانند ہے۔"

جیسے سیلاب کا پانی اُونچی جگہ کے ساتھ مڈبھیڑ کرتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ اُونچی جگہ پر سیلاب کا پانی نہ پہنچ پاتا ہے اور نہ ہی وہاں ٹھہر سکتا ہے، بلکہ بالائی حصوں سے ٹکرا کر دائیں اور بائیں پھیل جاتا ہے۔ اسی طرح 'علم' کی مثال ہے۔ وہ بھی متکبر اور اُونچی ناک رکھنے والے شخص کے دل و دماغ میں نہیں سماتا، بلکہ بسا اوقات (پہلے سے ایک عالم شخص کے سینے سے) کبر و نخوت کی بناء پر 'علم' کھینچ لیا جاتا ہے۔

* اور اس سلسلے کی چوتھی بڑی غلطی، فقہی مذاہب اور آراء میں تعصب ہے۔ تو ایک طالب علم پر یہ واجب ہے کہ وہ اس فقہی تعصب سے ہر ممکنہ حد تک دور رہے کہ مبادا وہ اس غلطی میں پڑ کر کسی خاص گروہ اور متعین جماعت کے ساتھ ولاء

(دوستی) یا براءت (ہمیشہ کی لاتعلقی اور دشمنی) کا دعویٰ کرنا شروع کر دے اور یہ انداز بلا شک سلف صالحین رحمہم اللہ کے منہج کے خلاف ہے۔ ہمارے اسلاف رحمہم اللہ مختلف جماعتیں نہ تھے، بلکہ وہ سب ایک ہی جماعت تھے۔ اللہ عزوجل کے اس فرمان کے مصداق ﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾

"اللہ نے اس سے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (مسلم ہی رکھا ہے)۔" (الحج:۷۸)

تو یہاں اہل اسلام کے مابین نہ گروہ بندی ہے، نہ طبقاتی تقسیم ہے، نہ عددی برتری ہے اور نہ موالاۃ (کسی خاص گروہ سے دوستی اور تعلق) اور نہ ہی معاداۃ (دشمنی اور لاتعلقی) کا کوئی تصور، سوائے اس کے کہ جو کتاب وسنت میں ذکر ہوا ہے۔ مثال کے طور پر لوگوں میں سے ایسا شخص بھی آپ کو ملے گا جو ایک مخصوص مذہبی جماعت کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوئے انہی ہی کے منہج کا پرچار کرتا اور ایسے دلائل سے اس کا دفاع کرے گا، جو بسا اوقات خود اس کے اپنے ہی (اختیار کردہ) منہج کے خلاف دلیل ہوتے ہیں، مگر وہ شخص مذہبی تعصب کی رَو میں بہہ کر صرف اپنے منہج کی حمایت کرتا، جبکہ دیگر تمام دینی فکر اور منہج رکھنے والی جماعتوں کو گمراہ (راہ حق سے ہٹا ہوا) قرار دیتا ہے، خواہ وہ اس کی نسبت حق کے زیادہ قریب کیوں نہ ہوں۔ اور پھر وہ اپنے اس مذہبی تعصب (اور ہٹ دھرمی) میں اس حد تک آگے نکل جاتا ہے کہ وہ (اہل حق اور اہلِ باطل کو پرکھنے کے لیے) یہ اصول بنا لیتا ہے، کہ جو شخص میرے موافق نہیں وہ میرا مخالف ہے۔' اور یہ مبدأ (اُصول) خباثت پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ (اے متعصب اور کٹر انسان!) یہاں تیری موافقت اور تیری مخالفت کے درمیان بھی کئی ایک متوسط راہیں موجود ہیں، اور اس صورت میں اگر

کوئی شخص حق پر ہوتے ہوئے تیرے مخالف ہے، تو پھر اسے (ہر صورت میں) تیرے مخالف ہی ہونا چاہیے، کیونکہ وہ حقیقت میں تیرے مخالف نہیں ، بلکہ تیری موافقت میں ہے، اس لیے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا»

''اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہے یا مظلوم۔''

اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ تو اس کو ظلم کرنے سے روکے رکھے۔ لہٰذا اسلام میں کوئی گروہ بندی نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں میں مذہبی گروہ بندی کا ظہور ہوا، اور ان کے راستے جدا جدا ہو گئے اور پوری امت فرقہ واریت کی لپیٹ میں آ گئی اور لوگ مذہب کے نام پر مختلف ٹولیوں اور دھڑوں میں بٹ گئے، تو بعض لوگ دوسروں کو گمراہ کہنے لگے اور اس طرح اپنے مردار بھائیوں کا گوشت نوچنے لگے، اور ساتھ ہی ان پر ایک اور اُفتاد، ذلّت اور بُزدلی کی آ پڑی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا﴾ (الانفال:۴۶)

''اور آپس میں مت جھگڑو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

اسی بناء پر ہم بعض طلبہ کو 'مشائخ عظام' میں سے کسی شیخ کے پاس علمی استفادہ کرتے دیکھتے ہیں اور وہ طالب علم اپنے شیخ (استاذ) کو 'حرفِ آخر' سمجھتے ہوئے، حق و باطل میں ہر اعتبار سے اس کی حمایت و تائید کرتا، جبکہ اس کے علاوہ ہر ایک کو گمراہ اور بدعتی گردانتا نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا شیخ (استاذ)

ہی حقیقی عالم اور مصلح ہے۔ اس کے سوا جونسا بھی ہو، وہ یا تو جاہل ہے اور یا پھر فسادی۔ جبکہ ایسا رویہ ایک بہت بڑی غلطی ہے، بلکہ ہر شخص (خواہ وہ عالم ہو یا طالب علم) پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر اس شخص کی بات کو پکڑ لے جو کتاب وسنت اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات کے موافق ہو۔

* اور اس سلسلے کی پانچویں بڑی غلطی اہلیت سے پہلے مسند تدریس وافتاء پر براجمان ہونا ہے۔ اور طالب علم پر یہ واجب ہے کہ وہ اس بڑے منصب (اور ذمہ داری) کا اہل ہوئے بغیر اس کے قریب بھی نہ پھٹکے، اس لیے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا درج ذیل امور کی زد میں آنے پر اس کا یہ اپنا فعل (سب سے بڑی) دلیل ہوگا:

<u>پہلا:</u> اس کا اپنے تئیں بڑا بننا۔ جیسا کہ وہ اس مسندِ صدارت پر فائز ہونے کا خود ہی دعویدار ہے اور اپنے آپ کو مشاہیر اہلِ علم کی صف میں کھڑا دیکھتا ہے۔

<u>دوسرا:</u> اس کا یہ انداز چند وجوہ کی بناء پر اس کی (دینی امور) میں سوجھ بوجھ کی کمی اور علمی غور وفکر کے فقدان پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جب وہ اس بڑی ذمہ داری کی جگہ سنبھال لے گا، تو بعض حالات میں وہ ایسے مسئلے یا معاملے میں اُلجھ جائے گا کہ جس سے چھٹکارا اس کے بس کی بات نہ ہوگی، جبکہ لوگ کسی کو جب تدریس وافتاء کی مسندِ صدارت پر متمکن دیکھتے ہیں تو وہ اپنے گھمبیر مسائل کے حل کے لیے اس شخص کے پاس آتے ہیں۔ اور ایسا نا اہل شخص تو اُن کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگا اور بجائے مسئلہ یا مشکل حل کرنے کے انہیں کہیں زیادہ بڑی مشکل اور اُلجھن میں پھنسا دے گا۔

تیسرا: اگر وہ اہلیت سے پہلے اس ذمہ داری کو سنبھالتا ہے تو پھر لازمی بات ہے کہ وہ اللہ عز وجل کی ذات کے حوالے سے کوئی ایسی بات کہے جس کا اسے علم نہیں ، کیونکہ غالب احوال میں جس شخص کا مقصود محض عہدے کا حصول یا جھوٹی شہرت و ناموری ہو تو وہ (اس عظیم منصب کی پرواہ کیے بغیر) ہر قسم کے سوال کا جواب دیتا چلا جائے گا اور اس طرح وہ اللہ عز وجل پر بغیر علم کے باتیں کہتے ہوئے خود اپنے دین کو بھی خطرے میں ڈال دے گا۔ العیاذ باللہ

چوتھا: بے شک انسان جب کسی بڑے عہدے (یا منصب صدارت) پر فائز ہوتا ہے تو غالب احوال میں حق بات قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ خاص طور پر جب اس کی اپنی ذات پر زد پڑتی ہو، کیونکہ دوسرے کے سامنے جھک جانا وہ اپنی توہین اور ذلت سمجھتا ہے، خواہ دوسرا شخص حق پر ہی کیوں نہ ہو، اور اُس کا یہ رویہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ عالمِ دین نہیں۔

✿ اور اس سلسلے کی چھٹی بڑی غلطی 'برا گمان' ہے۔ تو طالب علم پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ دوسروں کے بارے میں برے گمان سے بچے۔ مثلاً اس کا یہ کہنا: ''کہ اس شخص نے صرف دکھاوے کے لیے صدقہ دیا ہے، اور فلاں طالب علم نے تو یہ سوال ہی صرف یہ دکھانے کے لیے کیا ہے کہ وہ خاصا سمجھ دار اور ذہین طالب علم ہے۔ اور منافقوں کا یہ انداز تھا، کہ جب اہل ایمان میں سے کوئی شخص صدقے کی کوئی چیز لے کر آتا تو اگر وہ صدقے کی چیز مقدار میں زیادہ ہوتی تو کہتے یہ نرا دکھلاوا ہے اور اگر کم ہوتی تو کہنے لگتے ، اللہ تو ایسے صدقے سے غنی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ان کے اس رویے کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ (التوبہ:۷۹)

''(ان منافقوں میں کچھ ایسے ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مومنوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور ایسے (تنگدست) مسلمانوں پر بھی، جو اپنی مشقت (کی کمائی) کے سوائے کچھ نہیں رکھتے۔ یہ منافق اُن کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق انہی پر ڈال دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔''

تو اے علم دین کے متلاشی! ہر اس شخص کے بارے میں برے گمان سے بچ، جس کی عدالت (پرہیزگاری، صدق و اخلاص وغیرہ) میں واضح نکھار ہو۔ اور یہاں تیرے اپنے استاذ کے بارے میں یا تیرے اپنے طالب علم ساتھی کے بارے میں برا گمان رکھنے میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کے حق میں، جس کی 'عدالت' (اخلاق حسنہ وغیرہ) ظاہر و باہر ہوں، اچھا گمان رکھنا واجب ہے۔

لیکن جس شخص میں بظاہر 'عدالت' کے برعکس (اخلاقِ رذیلہ) کا اظہار ہوتا ہو، تو ایسے شخص کے بارے میں اگر تیرے جی میں برا گمان بھی آ جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی تجھ پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ممکنہ حد تک اپنے اس بھائی کے بارے میں اس بدگمانی کے ازالے کی بھی پوری کوشش کرتے رہیے، اور ممکن ہے کہ حقیقت حال سامنے آ جانے کے بعد یہ وہم بھی فرو ہو جائے، کیونکہ کچھ لوگ بعض اوقات کسی بھی شخص کے بارے میں ایسے جھوٹے وہم و خیال کی بناء پر بدگمانی رکھے ہوئے ہوتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

تو جب بھی آپ کسی شخص کے بارے میں برا گمان کریں، خواہ وہ طالب

علموں میں سے ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور، تو آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس بات پر اپنی پوری توجہ دیتے ہوئے یہ دیکھیں کہ آیا یہاں کوئی ایسا واضح قرینہ یا علامت موجود ہے جو اس 'بدگمانی' کی نشاندہی کرتا ہو یا اسے جائز قرار دیتا ہو؟ اگر تو ایسا ہو، تو پھر (ایک حد تک) 'برے گمان' میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر تحقیق و جستجو کے بعد سوائے ایک وہم اور خیال کے کچھ اور سامنے نہ آیا ہو، تو آپ کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں کہ آپ ایک ایسے مسلمان کے بارے میں بدگمانی رکھیں جس کا ظاہر بہر حال 'عدالت' کے اوصاف کا حامل ہے اللہ عزّ وجل کا ارشاد ہے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ (الحجرات:۱۲)

''اے اہلِ ایمان! بہت گمان کرنے سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

اللہ جل شانہ نے یہ نہیں فرمایا ''كُلُّ الظَّنِّ'' کہ تمام قسم کے گمان سے بچو، اس لیے کہ بعض گمان مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں اور ان کا کوئی نہ کوئی اصل اور مُبَرِّر ہوتا ہے، جو کہ انسان کی پاکیزگی اور شائستہ اطوار کا باعث ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ عزوجل مجدہ کا یہ فرمان: ﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾

''بے شک کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

جب کہ سارے گمان گناہ نہیں ہوتے۔ مگر ایسا گمان جو دوسروں پر زیادتی کا باعث بنتا ہو، بلا شک وہ گناہ ہوگا اور اسی زمرے میں وہ گمان بھی آتا ہے، جس کے بارے میں کوئی ٹھوس دلیل نہ ہو۔ اور اگر کسی شخص کے پاس کوئی پختہ ثبوت موجود ہو، تو کسی کے بارے میں برا گمان رکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات کو اس کے اصل مقام پر رکھے اور اسے

گناہوں کی غلاظتوں اور نجاستوں میں آلودہ نہ کرے اور ان غلطیوں سے ہر دم چوکس رہے، جن کا پہلے ذکر ہوا ہے، کیونکہ ایک طالب علم کو اللہ جل شانہ نے علم کی نعمت سے نوازا اور شرف بخشا ہے اور اسے دوسروں کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ یہاں تک کہ باہمی اختلافات اور شدید الجھاؤ کے حل کے لیے لوگوں کے معاملات کو اہل علم کے سپرد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الانبیاء:۷)

"اگر تم کو کسی معاملے میں سوجھ بوجھ نہیں تو اس بارے میں اہل علم وفضل سے پوچھ لو۔"

اور سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (آیت:۸۳)

"اور جب کوئی امن یا خطرے کی خبر ان تک پہنچتی ہے تو اسے فوراً اڑا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول یا اپنے کسی ذمہ دار حاکم تک پہنچاتے، تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجاتی، جو اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔"

حاصلِ کلام: اے علم کے طالب! تو ایک قابل احترام شخصیت ہے لہٰذا اپنے اس شرف وکمال کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو کبھی بھی ذلت ورسوائی کے میدان میں نہ چھوڑ بلکہ اپنی شایانِ شان اس دنیا میں زندگی گزار!۔

واللہ تعالی ولی التوفیق

# اہل اسلام کے لیے عظیم خوشخبری

'مرکز الکتاب کا قیام' سیکولرزم، کمیونزم اور الحاد کی آندھیوں اور بدعات وخرافات کی تاریکیوں میں منبع رشد وہدایت، علم وعرفان کی شمع اور قرآن وسنت کا حسین امتزاج۔

## اغراض ومقاصد

❶ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا حصول

❷ پیغام رسالت ﷺ سے 'امت مسلمہ' کو روشناس کرانا

❸ قرآن وسنت کی تعلیمات عصری تقاضوں کے مطابق جدید وسائل کو استعمال میں لا کر پھیلانا۔

❹ مرکز کے تحت جاری پروگرامز کی آبیاری کے لیے ہر طبقہ اور فکر کے لوگوں کو انگیخت دلانا، تا کہ عصری اور دینی علوم وفنون کے امتزاج سے ایک مثالی اور باکردار معاشرہ وجود میں آ سکے۔ مثلاً دینی علما وسکالرز، ڈاکٹرز، پروفیسرز، صحافی، قانون دان، یونیورسٹیوں اور کالجوں کے سٹوڈنٹس، سیاست دان، بیوروکریٹس، کاروباری حضرات وجملہ سرکاری آفیسرز شامل ہیں۔

❺ علمانی والحادی، منتشر باطل نظریات کا قطع قمع کرنا، اور دین ودنیا میں پیدا شدہ وسیع خلیج کو پاٹ کر مومن کی پوری زندگی کو عبادت وباعث اجر بنانا کہ

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

❻ غریبوں محتاجوں، بیواؤں، بیماروں، یتیموں، معذروں اور دیگر نادار اور بے سہارا بچوں، بچیوں، طلبا وطالبات کے لیے امدادی 'ویلفیئر ٹرسٹ' قائم کرنا کہ ارشادِ باری ہے: ﴿وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾

# یادداشتیں

امت کے روشن مستقبل کو بیدار ذہن

اور جدید علوم سے بہرہ ور مسلمان کی

ضرورت ہے!

اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ کا تعلیمی منصوبہ

ISLAMIC WELFARE TRUST

NASEEM NISAR HIGH SCHOOL

## ابن خلدون

# نسیم نثار سکول

لاہور بورڈ سے الحاق شدہ

- پلے گروپ تا میٹرک / اولیول سائنس
- انگریزی بول چال اور کریئیٹو رائٹنگ کا ماحول
- اسلامی ماحول، نماز باجماعت
- پرائمری تک دو پاروں کا حفظ

بہترین تعلیم

اعلیٰ انتظام

مثالی سہولیات

کمپیوٹر لیب ✿ سائنس لیب ✿ لائبریری ✿ مسجد ✿ ڈسپنسری

550 ڈی ون ٹاؤن شپ لاہور فون: 5116118 موبائل: 0322-4468539